اعلیحضرت کا فقہی مقام
از
فاضل شہیر مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری
فرید بک سٹال
۴۰ اردو بازار
لاہور۔۲

از

فاضل شہیر مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری

فرید بک سٹال
۴۰ اردو بازار
لاہور۔۲

اختر شاہجہان پوری مظہری

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
عرض حال (از محمد عارف رضوی)	۵	الطلبۃ البدیعہ	۱۵۵
پیش لفظ (از مفتی غلام معین الدین نعیمی)	۹	مسئلہ لمعہ	۱۵۸
سخن ہائے گفتنی (مولانا ارشد القادری)	۱۲	تحقیق رقت وسیلان	۱۶۰
"تمہید" (از حافظ محمد شعبان (۱۳)	۵۶	اظہارِ حقیقت	۱۶۳
اعلیحضرت اپنی تصانیف کی روشنی میں	۷۷	مخالفین کا اعتراف عظمت	۱۶۴
مسئلہ تقبیل ابہامین	۸۰	تھانوی صاحب کے بیانات	۱۶۵
مسئلہ سماعِ موتیٰ	۸۹	مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی کی رائے	۱۶۶
مسئلہ جمع بین الصلوتین	۹۲	جماعت اسلامی کے ایک نائب امیر کی رائے	۱۶۷
نوٹ کے مسائل	۹۹	ماہنامہ "معارف" کا تبصرہ	۱۶۷
تیمم کی تعریف و ماہیتِ شرعیہ	۱۱۰	فیض رضا پائندہ باد (منقبت)	۱۷۱
مسئلہ امکانِ کذب	۱۱۴	نذرِ عقیدت	۱۷۳
فقیہ کا مقام	۱۳۵	ق ناتِ تاریخ	۱۷۵
مسئلہ کتا نجس عین ہے یا نہیں؟	۱۴۱	اختر شاہجہان پوری کی تصانیف	۱۷۷
مسئلہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم	۱۴۶		
قوانین العلماء	۱۵۱		

عرض حال

امام اہل سنت اعلیحضرت مجدد ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ ایک نادر روزگار عالم دین تھے۔ قدرت کی فیاضی سے انہیں علم فقہ میں جو مقام و مرتبہ اور کمال ودیعت ہوا تھا وہ بہت کم علماء کو حاصل ہوا ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ ان کے معاصرین میں ان کا کوئی سہیم و نظیر نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالف مولف نزہۃ الخواطر نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔ یندر نظیرہٗ فی عصرہٖ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہٖ یشھد بذالک مجموع فتاواہ وکتابہٗ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم، الذی الفہ فی مکۃ سنۃ ثلاث وعشرین وثلاث مأۃ والف[1]۔

مگر صد افسوس کہ اپنوں نے اعلیحضرت فاضل بریلوی کے علمی مقام اور ان کی ملی خدمات سے دنیا کو متعارف کرانے کی قطعاً کوشش نہیں کی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ان کی سینکڑوں بلند پایہ تصانیف ہنوز زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر نہ آسکیں۔

ان حالات کے پیش نظر احقر نے بعض مخلص احباب کے تعاون سے ایک ادارہ بنام "مرکزی مجلسِ رضا" قائم کیا جس کے قیام کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ فاضل بریلوی قدس سرہ کے کمالات علمیہ اور خدماتِ دینیہ وملیہ سے عوام و خواص اور ہر مخالف و موافق کو صحیح طور پر متعارف کرایا جائے اور صحیح العقیدہ اہلِ علم حضرات جو وقت کی اہم ضرورت کو فراموش کیے ہوئے ہیں، انہیں اعلیحضرت پر کام کرنے کے لیے متوجہ کیا جائے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ہشتم از مولانا عبدالحی باضافات مولانا ابوالحسن علی ندوی ص۴۱

اس عظیم مقصد کے پیش نظر "مرکزی مجلس رضا لاہور" نے ۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ کو سطور ذیل پر مشتمل ایک مطبوعہ مراسلہ سینکڑوں کی تعداد میں علماء کرام کی خدمت میں ارسال کیا۔

گزارش ہے کہ اراکین "مرکزی مجلس رضا لاہور" نے امام اہلِ سنت مولانا مفتی شاہ محمد احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ العزیز پر علماء کرام سے انعامی مضامین لکھوانے کا فیصلہ کیا ہے اور طے پایا ہے کہ اوّل، دوم اور سوم قرار دیے جانے والے مضامین پر بالترتیب سو، پچاس اور پچیس روپے کے نقد انعامات پیش کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

درج بالا مراسلے کا مضمون مختلف اخبار و رسائل میں بھی شائع کرایا گیا اور اس تحریر کا نتیجہ نہایت حوصلہ افزا برآمد ہوا۔ مختلف علماء کرام نے اس موضوع پر نہایت قابلِ قدر مضامین سپردِ قلم فرما کر ہمیں بھیجے۔ جملہ موصولہ مضامین کو علماء کرام کے ایک بورڈ نے ملاحظہ کیا اور متفقہ طور پر حضرت مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی (بہاولپور) کے مقالہ کو اوّل قرار دیا اور فاضل محترم جناب عبد الحکیم خاں اختر شاہجہانپوری اور حضرت مولانا مفتی سید شجاعت علی (کراچی) کے مقالات کو بالترتیب درجہ دوم و سوم میں شمار کیا۔ حسبِ اعلان مضمون نگار اصحاب کی خدمت میں نذرانے پیش کر دیے گئے۔ علاوہ بریں آٹھ حضرات کی خدمت میں حوصلہ افزائی اور قدر دانی کے طور پر تیسرا انعام پیش کر دیا گیا۔ مذکورہ تینوں منتخب مضامین میں سے حضرت مفتی شجاعت علی مدظلہ کا مضمون اس کی جامعیت کے پیش نظر فتاویٰ رضویہ (کتاب النکاح) کے شروع میں بطور دیباچہ شامل کر دیا گیا ہے۔ حضرت مولانا فیض احمد کا مقالہ "انوارِ رضا" کی زینت بنے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت اختر شاہجہانپوری کا مقالہ پیشِ خدمت ہے "اعلیٰحضرت کے فقہی مقام" پر جتنے مضامین و مقالات مرکزی مجلس رضا کی تحویل میں ہیں انہیں بھی مناسب وقت پر شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی اور کسی صاحب کی محنت کو بھی ضائع نہیں ہونے دیا جائیگا۔ انشاء اللہ

احقر امید کرتا ہے کہ پیشِ نظر مقالہ اعلیحضرت کے فقہی مقام کو سمجھنے میں راہ نما ثابت ہوگا اور ان اہلِ علم و فضل و کمال میں اس موضوع پر لکھنے کی تحریک پیدا کرے گا جو یقیناً اس موضوع پر بہتر طور پر مبسوط کتابیں لکھ سکتے ہیں۔

جناب محترم اختر صاحب نے اپنے اس مقالے میں تفصیل کے ساتھ اعلیحضرت کے مخالف معاصر علماء کی فقاہت کا موازنہ کر کے دکھایا تھا کہ وہ علماء ان کے مقابلے میں بے حد کمزور تھے اور موصوف نے مسئلۂ تکفیر پر بھی بحث کی تھی مگر میری درخواست پر انہوں نے اپنے مقالے سے یہ دونوں بحثیں حذف کر دی ہیں۔ موازنہ و مقابلہ کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی کہ جب وہ خود اقراری ہیں کہ فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر گہری نظر رکھنے والا ان کے زمانے میں ملنا مشکل تھا تو ہمیں بلا ضرورت مقالے کو طوالت نہیں دینی چاہیے۔ رہا مسئلۂ تکفیر تو اس پر فاضل جلیل شیخ القرآن حضرت مولانا غلام علی اکاڑوی مدظلہ کا نہایت فاضلانہ مقالہ بغرضِ اشاعت موصول ہو چکا ہے۔ اس قیمتی مقالے کی اشاعت سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائیگا کہ اعلیحضرت نے جن عبارات کی بنا پر حکمِ تکفیر جاری کیا تھا وہ اسی کی مستحق تھیں اور اعلیحضرت نے شرعی فیصلہ صادر فرما کر اپنے فرضِ منصبی کو ادا کیا تھا۔ نیز ان لوگوں کی قلعی کھل جائے گی جو اعلیحضرت کے محب بن کر سکول اور کالج کے لڑکوں کو یہ باور کرانے کی مذموم سعی کر رہے ہیں کہ ان عبارتوں میں صرف احتمالِ کفر پایا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

"اعلیحضرت کا فقہی مقام" مجلسِ رضا کی تیسری پیشکش ہے۔ سب سے پہلے رسالہ تجلی المشکوٰۃ ۱۳۸۸ھ میں طبع کر کے بلا قیمت تقسیم کیا گیا۔ صفر ۱۳۹۱ھ میں محترم ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی نہایت تحقیقی تصنیف "فاضل بریلوی اور ترکِ موالات" طبع کرائی جو اہلِ علم حضرات میں بے حد مقبول ہوئی اور اس کی کاپیاں مدینہ طیبہ افغانستان، ایران، افریقہ، انگلستان اور فرانس کے اربابِ علم و فضل کی خدمت میں بھیجی گئیں۔ محترم پروفیسر صاحب قبلہ کی اس کتاب پر اخبارات و رسائل نے شاندار تبصرے کیے۔

چنانچہ یہ کتاب تین ماہ کی قلیل مدت میں ختم ہوگئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن ضروری تصحیح اور تبصروں کے اضافے کے ساتھ منظرِ عام پر آچکا ہے۔ مجلس کی طرف سے یہ کتابیں ڈاک خرچ کے لیے ٹکٹ موصول ہونے پر ارسال کی گئیں اور اکثر اہلِ علم حضرات کی خدمت میں از خود بھجوا دی گئی ہیں۔

"مرکزی مجلسِ رضا" کے زیرِ اہتمام ہر سال اعلیحضرت کا یوم (عرس) بھی منایا جاتا ہے۔ اس سال یوم رضا پر پاکستان کے علاوہ بھارت، افغانستان، مدینہ طیبہ کے جلیل القدر علماء کرام، مشائخ عظام اور دانشوروں کے پیغامات بھی موصول ہوئے جو عنقریب "پیغامات یوم رضا" کے نام سے شائع کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ اراکین ومعاونین "مرکزی مجلسِ رضا" کے لیے دعا فرمائیں کہ وہ امام اہل سنت کے علوم کی اشاعت زیادہ سے زیادہ کرسکیں اور اس عاشقِ رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علوِ مقام سے دنیا کو کما حقہٗ، متعارف کراسکیں۔ یہ بھی گزارش ہے کہ ہمارے شائع کردہ رسائل میں اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں ضرور مطلع کیا جائے تاکہ اس کی تلافی کی جاسکے۔

محمد عارف رضوی ضیائی
صدر مرکزی مجلسِ رضا لاہور۔
۱۵ر شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ

پیش لفظ

از

حضرت مولانا مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی مدظلہ[1] .... لاہور

****

مبسملاً و محمداً و مصلیاً و مسلماً۔ اعلیحضرت امام اہلِ سنت مجدد مأتہ حاضرہ مفتی شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، دین برحق کے ایسے امام ہیں جن کے کمالات علم و عمل عرب و عجم میں اہلِ دین کے قلوب پر اپنا سکہ جما چکے ہیں۔ موجودہ صدی کے نصف تک عرب و عجم، ایشیا و افریقہ وغیرہ براعظموں کے دینی معاملات آستانہ رضویہ سے فیصل ہوتے رہے ہیں۔ آپ کا فتاویٰ اپنے حجم و تحقیق میں علمائے ماسبق کے مجموعاتِ فتاویٰ سے کہیں زیادہ ہے اور دیگر تصانیف و شروح کی تعداد تو ہزار کے لگ بھگ ہے۔

عزیز القدر مولانا اختر شاہجہان پوری منظری نے (اللہ تعالیٰ ان کے علم و فہم میں اور زیادہ افزونی فرمائے) اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت پر زیرِ نظر مقالہ قلمبند فرمایا ہے۔ میں نے حرفاً حرفاً اسے پڑھا اور خوب لطف اٹھایا ہے۔ ماشاء اللہ خوب تحریر ہے اور حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمیہ میں سے عظیم الشان فقہی مقام کا تصور سلجھے ہوئے انداز میں پیش کیا ہے۔ اگرچہ صرف چند مسائل اور رسائل ہی سے فقاہت کی جھلک دکھائی ہے لیکن "مشتے نمونہ از خروارے" اپنے ذوقِ تحقیق اور حسنِ ترتیب کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

---

[1] افسوس کہ حضرت مفتی صاحب بتاریخ ۴ر اگست ۱۹۷۱ء کو انتقال فرما گئے۔ رحمہ اللہ۔

میرے استاد و مرشد سیدی حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ نے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ بحث اور قوتِ کلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ :-

آپ (یعنی اعلیٰحضرت) کا اندازِ بحث بالکل محققانہ ہے۔ منطقی مغالطات اور سفسطوں سے آپ کا کلام بالکل پاک ہوتا ہے۔ تدقیق اس قدر کہ علماء کو مطالب تک پہنچنے کے لیے بسا اوقات عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ احتمالاتِ مخالف کی تمام راہیں زبردست دلائل سے اوّل بند کردی جاتی ہیں۔ جس بحث میں قلم اٹھایا ہے ممکن نہیں کہ مخالف کو جائے دم زدن باقی رہی ہو۔ معاندانہ مکابرے اور سفیہانہ سب و شتم ترکسی علمی تحقیق کا جواب نہیں ہوسکتے اور اس کام کا انجام دینا ہر زبان دراز، عدیم المروت والحیا کو آسان بھی ہے مگر علمی معارک میں ہرزہ سرائی کیا بار پانے کے قابل ہے مگر نہ دیکھا گیا کہ محققانہ طور پر کسی شخص کو اس امام المتکلمین کے سامنے لب کشائی کی جرأت ہوئی ہو۔ (افاضات صدر الافاضل)

میرے یگانہ روزگار مرشد، علمائے معاصرین میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے لیکن وہ بھی اعلیٰحضرت کی بلند ترین فضیلتِ علمیہ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں :-

"فتاویٰ پر نظر ڈالنے والا اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے بہت سے علوم عطا فرمائے تھے جن سے آج دنیا کے ہاتھ خالی ہیں مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں ان کی وسعتِ معلومات، دقتِ نظر، علوِ مضامین بلندیٔ تحقیق، جودتِ کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں۔ باوصف اپنی بے بضاعتی کے اُن کے کمالات تک میرے ناقص فہم کو جتنی رسائی ہوئی ہے اور اُن کو جیسے الفاظ میں تعبیر کرسکتا ہوں وہ حاضر ہے، لیکن یہ اس امام جلیل کی رفعت و منزلت کی پوری تصویر نہیں ہوسکتی، ایک خداداد نعمت تھی، ایک وہبی فیض تھا۔

جس کو سمجھنے سے عقل حیران ہے۔" (افاضات صدر الافاضل)

فقاہت

سیدی واستاذی حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ نے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت کے بارے میں "مولیٰ راولی می شناسد" کے طور پر فرمایا:۔

"علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ تفصیل تو اُن کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھیے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفسار کے لیے رجوع کیے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا وہی تمام بدمذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کے بالغ رد بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیحضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا۔" (افادات صدر الافاضل)

علم حدیث و دیگر علوم

علم حدیث کے سلسلہ میں سیدی صدر الافاضل قدس سرہٗ نے فرمایا:۔

"علم حدیث میں بھی وہ (اعلیٰ حضرت) فرد تھے، اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے علم رجال میں اُن کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوکِ زبان پر تھے اور معنی میں بحث، ناسخ و منسوخ کی تمیز، متعارضین کی توفیق، یہ تو ان کا خاص حصہ تھا۔۔۔۔ علم تفسیر و اصولِ فقہ و اصولِ حدیث و عقائد و کلام و ادب و عروض

میں آپ اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور اگر آپ کی نظیر تلاش کی جائے تو آج سے دو صدی قبل کے علما کی جستجو کرنا پڑے گی۔ بہت سے علوم وہ ہیں جو آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گئے اور آپ کے زمانہ میں کوئی ان علوم میں کامل تو کیا ناقص بھی نہ پایا گیا۔" (افاضات صدر الافاضل)

مجھ جیسے ہیچمیرز کے لیے اس سے زیادہ وقیع و موثر الفاظ میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف اور اظہارِ حقیقت کیسے ممکن ہے؛ علاوہ بریں حرمین طیبین اور دیگر بلادِ اسلامیہ کی یگانۂ روزگار علمی ہستیوں نے اعلیحضرت قدس سرہٗ کو نابغۂ روزگار اور عدیم النظیر محقق تسلیم کیا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر اعلیحضرت کی جملہ تصانیف اور خصوصاً فتاویٰ رضویہ اس امر کی واضح شہادت دے رہا ہے کہ اس کا مصنف دقائق کا خزینہ، حقائق کا گنجینہ اور تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں منصب امامت پر فائز تھا۔

"مرکزی مجلس رضا لاہور" کے مخلص اراکین مستحق صد ستائش ہیں کہ وہ اس قیمتی مضمون کو شائع کر رہے ہیں۔ اعلیحضرت قدس سرہٗ کے کمالات علمیہ کو احسن طریقے سے منظرِ عام پر لانے کا مذکورہ مجلس کے اراکین نے جو پروگرام بنایا ہے اس بصیرت افروز مقالے کی اشاعت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مذکورہ مجلس تمام سنیوں کے خصوصی تعاون کی مستحق ہے تاکہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجددانہ کارناموں کو منظرِ عام پر لایا جاسکے جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

حقیر:۔ غلام معین الدین نعیمی ۔ مدیر پندرہ روزہ "سوادِ اعظم"
لاہور

سخن ہائے گفتنی

فقہ حنفی کا یہ کارنامہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ اس نے اقوامِ عجم کو اسلام سے متاثر کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض ملکوں میں تو اسلام کا سوادِ اعظم ہی حنفی مذہب کی بنیاد پر قائم ہے۔ بخصوصیت کے ساتھ ترکی۔ افغانستان، پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے تقریباً چالیس کروڑ مسلمانوں کے معاشرے پر حنفی مذہب کچھ اس طرح چھایا ہوا ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہے بلکہ ان ممالک پر کئی دور ایسے بھی گزرے ہیں جبکہ فقہ حنفی نے قانونِ وقت کی حیثیت سے پورے برصغیر پر حکومت کی ہے۔

فقہ حنفی حقیقت میں کتاب و سنت، عقل و بصیرت اور انسانی فطرت کے تقاضوں سے اتنا ہم آہنگ ہے کہ اس سے اختلاف کے لیے کسی کو آج تک کوئی معقول بنیاد نہیں مل سکی ہے۔ برصغیر میں غیر مقلد نام کا جو فرقہ آج حنفی مذہب کے حریف کی حیثیت سے کہیں کہیں نظر ہے اُس کا محرک علم و استدلال نہیں بلکہ سوءِ اعتقاد ہے، جس کی بنیاد اُن لوگوں نے کج فہمی، تنگ نظری اور ہٹ دھرمی پر رکھی ہوئی ہے۔

متحدہ ہندوستان کے اندر اس فرقے کی بنیاد رکھنے والوں میں جس ہستی کا نام سرِ فہرست آتا ہے وہ ہیں مولوی محمد اسماعیل دہلوی صاحب (المتوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) جو حنفی گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن اس کے باوجود آج کے غیر مقلدین حضرات صرف اس لیے انہیں اپنا امام اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں کہ اُن کی کتاب تقویۃ الایمان نے سلف صالحین، ائمہ مجتہدین اور بزرگانِ دین کے خلاف بد اعتقادی کا سنگِ بنیاد رکھا ہے بلکہ عقیدۂ توحید و رسالت

کو مزبود کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔

غیر مقلدین حضرات نے تقویۃ الایمان کی رکھی ہوئی اسی بنیاد پر اپنے مذہب کی عمارت کھڑی کی اور حالات کی ستم ظریفی کہ اس قصرِ وہابیت کی تعمیر کے لیے سامانِ تعمیر اور راج مزدور فراہم کیے تو حضرات علماء دیوبند نے جو ایک جانب حنفیت کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف اسلامیانِ ہند کے خلاف وہابیت کے پاسبان بن کر علماء اہلِ حق سے برسرِ پیکار ہیں۔ ان حضرات نے اپنے روزِ اوّل ہی سے حق کو مٹاتے اور باطل کو چمکانے کی خاطر اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کی ہوئی ہیں۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کی تقویۃ الایمان جس طرح غیر مقلدین حضرات کے یہاں ایک الہامی کتاب کا درجہ رکھتی ہے اسی طرح دیوبندی حضرات کے پورے مذہبی لٹریچر کی بنیاد تقویۃ الایمان کی تصریحات پر ہے، جن کے بالمقابل آیات و احادیث بھی قابلِ تاویل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ان حضرات کا سارا مذہبی دائرہ تقویۃ الایمانی مرکز کے گرد گھومتا ہے۔

اس مرحلے پر آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان قدرِ مشترک کیا ہے جبکہ ایک گروہ اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے کہ غیر مقلدین کو گروہ خود کو اہلِ حدیث بتاتا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ یہ سوال اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سوال کے جواب سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ دیوبندیت اور غیر مقلدیت کا آپس میں رشتہ کیا ہے اور دیوبندی حضرات حنفیت کے دعوے میں کس حد تک سچے ہیں۔

مذکورہ سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ غیر مقلدیت کیا چیز ہے اور وہ اپنی نشو و نما کے لیے کس طرح کا ذہنی ماحول چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت کی تشریحات کے سلسلے میں آئمہ مجتہدین کی اصابت رائے پر اعتماد کو حرام اور کفر و شرک قرار دے کر اپنی رائے کی برتری کا عقیدہ رکھنا غیر مقلدیت کا اصل مفہوم ہے۔

چونکہ اپنے اس مشرب میں ایک غیر مقلد مکمل طور پر تنہا اور اُمت مسلمہ کی چودہ سو سالہ روایات سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ماضی کے عوام و خواص اور اُمت کے سوادِ اعظم کے ساتھ بے اعتقادی، بدگمانی اور بے تعلقی بھی غیر مقلدیت کے مفہوم میں داخل ہے۔

مذکورہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد اب یہ معلوم کرنا آسان ہو گیا کہ غیر مقلدیت اپنی نشوونما کے لیے کس طرح کا ذہنی ماحول چاہتی ہے۔ ماضی کے بزرگوں اور اکابرِ اُمت کے ساتھ عقیدت، حسنِ اعتماد اور فکری و روحانی وابستگی کا ماحول غیر مقلدیت کے حق میں قطعاً سازگار نہیں ہے۔ اسے پنپنے اور پھلنے پھولنے کے لیے ذہن و فکر کا صرف وہی ماحول راس آسکتا ہے جہاں بزرگانِ دین کے خلاف بغاوت و سرکشی اور تحقیر و اہانت کا جذبہ جنم لے اور زیادہ سے زیادہ دلوں اور دماغوں میں سرایت کرتا جائے۔ جس ماحول میں ایسا جذبہ جنم ہی نہ لے سکے یا جنم لینے کے بعد باغیانہ ذہنوں کا سہارا نہ ملنے کے باعث زندہ درگور ہو جائے، ایسے ماحول اور مقامات میں غیر مقلدیت قطعاً بار نہیں پا سکتی۔ یہ پودا اگر وہاں لگا بھی دیا جائے لیکن پروان ہرگز نہیں چڑھ سکتا۔ قارئین کرام ذرا ملاحظہ تو فرمائیں کہ تقویۃ الایمان اپنے قاری کو کس ذہن و فکر کا وارث بناتی ہے۔ ذرا اس عبارت کی تہ میں جھانک کر دیکھیے:

> "اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں۔ کوئی پہلوں کی رسموں کو سند پکڑتے ہیں۔ کوئی قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں۔ کوئی مولویوں کی باتیں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں سند پکڑتے ہیں، اور کوئی اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں"[1]

---

[1] محمد اسماعیل دہلوی، مولوی، تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ۱۹۷۱ء ص ۲۵، ۲۶۔

علمائے امت اور بزرگانِ دین سے بدظن کرتے اور لاتعلق رہنے کے لیے علوم الناک سے موصوف نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ جب بزرگانِ دین کے واقعات کو رد کرتے اور علمائے اسلام کی تصریحات کو ٹھکراتے کا موصوف درس دے گئے تو یقیناً موصوف اپنے آپ کو بزرگوں اور عالموں میں تو شمار ہی نہیں کرتے ہوں گے ورنہ اُن کی تصریحات بھی اس عبارت کی رُو سے ٹھکرانے کے قابل ہو جائیں گی، لہٰذا مصنفِ تقویۃ الایمان کے معتقدین ہی کو معلوم ہو گا کہ دہلوی صاحب نے جتنی بھی مذہبی باتیں کہی یا لکھی ہیں وہ اپنے جن بھوت پری والے زمرے میں شامل ہو کر کہی ہیں یا ایسی ہستیوں کے علاوہ کسی اور ہی پُراسرار گروہ میں شمولیت فرمائی تھی؟

اب ذرا دوسری عبارت کے اندر اسی درس کا اعادہ ملاحظہ فرمائیے۔

"جو کوئی یہ آیت سن کر پھر یوں کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا اور اُن کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی نہیں چل سکتا، سو اُس نے اس آیت کا انکار کیا۔"[1]

یہ بات تو تقویۃ الایمان پر غیر متزلزل ایمان رکھنے والے ہی جانتے ہوں گے کہ انہیں آج تک ایسے کتنے جہلا ملے ہیں جو احادیثِ مطہرہ کے مفہوم و مطالب کو بخوبی جان لیتے ہیں اور انہیں علمائے دین سے اس بارے میں کسی قسم کی مدد لینے کی قطعاً ضرورت پیش نہیں آتی۔ یقیناً ایسے جہلا ہوں گے تو ضرور لیکن ہمیں اپنی کوتاہ نظری کے باعث برملا یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ ہمیں آج تک ایک بھی ایسا جاہل نظر نہیں آیا جو علماء کی مدد کے بغیر کسی ایک حدیث کو بھی سمجھ سکا ہو ـــــــ اب یہی بات تیسری عبارت کے اندر ملاحظہ فرمائیے۔

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کی راہ و رسم کو ماننا اور اُسی کے حکم کو اپنی سند سمجھنا، یہ بھی اُنہی باتوں میں سے ہے کہ خاص اللہ نے اپنی تعظیم کے

---

[1] ایضاً، ص ۲۷۔

واسطے ٹھہرائی ہیں، پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے تو اُس پر بھی شرک ثابت ہوتا ہے۔"[1]

سابقہ عبارتوں میں تو بزرگانِ دین اور علمائے اسلام ہی سے لاتعلق رہنے اور اُن پر اعتماد نہ کرنے کا درس دیا گیا تھا لیکن تیسری عبارت کا ایٹمی حکم مخلوق کے ہر فرد کے متعلق ہے یعنی مخلوق میں سے اگر کسی کی راہ و رسم کو مانا یا اُس کے حکم کو سند سمجھا تو یہ قرآنِ کریم کی رُو سے دہلوی صاحب کے نزدیک شرک ہے۔ اس حقیقت کے اندر تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مخلوق ہیں۔ لہٰذا اس خطرناک عبارت کا مدعا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو مسلمان پیغمبرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہ و رسم کو مانتا اور اُن کے حکم کو سند سمجھتا ہے وہ بھی مسلمان نہیں بلکہ مشرک ہے اور جو اُن کی راہ و رسم کو نہیں مانتا اور اُن کے حکم کو سند نہیں سمجھتا وہ صحیح العقیدہ مسلمان اور پکا موحد ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ فتنہ انکارِ حدیث پر کام کرنے والے حضرات تقویۃ الایمان کی اس عبارت کو فراموش نہیں کریں گے۔

مصنفِ تقویۃ الایمان کے فکر کی یہ نیرنگی بھی قابلِ دید ہے کہ کتنی دیدہ دلیری کے ساتھ انہوں نے ایک مسلمان کو مشرک اور ایک مشرک کو مسلمان قرار دے دیا ہے اور حقیقت کا چہرہ مسخ کرتے ہوئے ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کی۔ گویا اُن کے نزدیک خوفِ خدا اور خطرۂ روزِ جزا محض کہنے سننے کی بات تھی۔ بہر حال اگر منصبِ رسالت کے انکار کا نام ہی توحید پرستی ہے تو میں کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی اپنے دور کے سب سے بڑے توحید پرست تھے ـــــ لیکن نبیِّ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی اس ستم ظریفی کا شکوہ کس سے کریں کہ ایمانی حقائق کا یوں خون کر دینے کے

---

[1] محمد اسماعیل دہلوی، مولوی: تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۸۲۔

باوجود بعض لوگ تقویۃ الایمان کے مصنف کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

جملۂ معترضہ کے طور پر یہ بات درمیان میں آگئی ورنہ عبارت پیش کرنے کا مدعا یہ تھا کہ جو کتاب اپنے قاری کے ذہن میں رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وابستگی کا کوئی تصور پیدا نہیں ہونے دیتی وہ اُمت کے اکابر اور سلف صالحین کے ساتھ کسی طرح کا روحانی اور فکری تعلق بھلا کیونکر برداشت کر سکتی ہے؟ ـــ مجھے امید ہے کہ اس بحث سے قارئین نے علماء دیوبند اور غیر مقلد حضرات کے درمیان تقویۃ الایمان کے پیدا کردہ ذہن کی قدرِ مشترک کو سمجھ لیا ہوگا۔

نہایت حسرت و قلق کے ساتھ یہ حقیقت سپردِ قلم کر رہا ہوں کہ تقویۃ الایمان کے ذریعے ان دونوں گروہوں کے درمیان جو مذہبی اور فکری رابطہ وجود میں آیا اُس نے متحدہ ہندوستان میں حنفیت کو بہت نقصان پہنچایا۔ فکر و اعتقاد کا یہ باہمی ارتباط صرف علمی سطح تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے عواملِ مسلم معاشرے پر بُری طرح اثر انداز ہوئے چونکہ علماء دیوبند کی پیشانیوں پر حنفیت کا لیبل لگا ہوا تھا، اس لیے غیر مقلدین کے ساتھ ان کے فکری اور جماعتی اتحاد کے مظاہر کو دیکھ کر سادہ لوح عوام یہ سمجھ بیٹھے کہ احناف اور غیر مقلدین کے درمیان بھی اُسی طرح کا سطحی اور فروعی اختلاف ہوگا جیسا احناف و شوافع اور دیگر مذاہب اربعہ کے درمیان ہے۔

یہ بات صرف عوام کے سمجھنے تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ خود علماء دیوبند نے بھی عوام کو یہی سمجھانے کی کوشش کی کہ احناف (دیوبندی) اور غیر مقلدین عقائد میں متحد ہیں، اختلاف صرف فروعات میں ہے۔ جیسا کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) نے فتاویٰ رشیدیہ کے اندر واضح لفظوں میں اس کی تصریح کی ہے۔ انہی اسباب و عوامل کے زیرِ اثر غیر مقلد نام کے ایک ایسے فرقے کو جو تقلیدِ شخصی کو شرک سمجھتا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۵۰ھ) سے سوءِ اعتقاد رکھتا اور حنفی مذہب کو اباطیل کا مجموعہ

شمار کرتا ہے، اپنے کتنے ہی روحِ اسلام کے منافی نظریات کے باوجود مسلم معاشرے میں داخل ہونے کا موقع ہاتھ آگیا۔

اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرماتا رہے اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کی تربت پر جنہوں نے اپنے قلم حق رقم کے ذریعے متحدہ ہندوستان میں حنفی مذہب کے چمن کی آبیاری کا عدیم المثال فریضہ ادا کیا، فصلِ خزاں پر پہرہ بٹھایا، بہاروں سے پیمانِ وفا باندھا اور اُن تمام سازشوں کا پردہ چاک کیا جو تقویۃ الایمان کے اوراق کے زیرِ سایہ اہل دیوبند اور غیر مقلدین نے حنفیت کے خلاف بڑی رازداری سے پھیلائی ہوئی تھیں۔ اگر حنفیت کے دفاع واحیاء کے لیے امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا قلم حرکت میں نہ آیا ہوتا تو نہیں کہا جا سکتا کہ آج پاک وہند کے احناف کن حالات سے دوچار ہوتے۔

اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور اُن کے اصحاب واتباع پر اور سارے اُن فقہائے احناف پر جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے تاریخ کے صفحات پر حنفی مذہب کی حقانیت اور برتری کے واضح نقوش ثبت فرمائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی مذہب مہذب پر تا زیست قائم رکھے اور ان بزرگوں کے ساتھ ہی ہمارا حشر ونشر فرمائے۔ آمین

محمد ارشد القادری عفا اللہ عنہ
سابق مدیر جام نور، جمشید پور
بھارت

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱۹۶۶ء کے اوائل تک مرکزی مجلس رضا لاہور کے اندر صرف حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ تھے۔ یا محترم محمد عارف قادری رضوی ضیائی، اراکین مجلس کو کام کرنے والے اور سنی قلمکاروں کی اشد ضرورت تھی کہ مجلسِ رضا میں شامل ہو کر اس کام کو آگے بڑھائیں ان دنوں اگر دن میں چراغ لے کر بھی ڈھونڈتے تو سنی قلمکار اور مذہب اہل سنت وجماعت کے لیے بے لوث کام کرنے والا ملتا نہ تھا۔ جہانِ سنیت پر سناٹا طاری تھا اور لاہور جیسے عظیم شہر کی فضائیں ایمان افروز صدائیں سننے کے لیے ترس رہی تھیں۔ اس ناامیدی کے عالم میں بھی یوں محسوس ہوتا تھا ؎

آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی۔

اپریل ۱۹۶۸ء کے اوائل میں حکیم صاحب موصوف کو مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء) کی معرفت پتہ لگا کر لاہور ہی کے مضافات میں اختر شاہجہان پوری نامی کوئی شخص رہتا ہے جو سنیت کا درد رکھنے والا اور صاحب قلم ہے پتہ معلوم کر کے ۱۲ اپریل ۱۹۶۸ء کو حکیم صاحب نے ان کے نام خط لکھا اور چند روز میں دونوں حضرات کی ملاقات ہو گئی۔ اور پہلی ہی ملاقات میں مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے اراکین کی تعداد تین ہو گئی۔ جیسے محمد عارف رضوی صاحب کو مجلسِ رضا کا صدر بنایا ہوا تھا

ایسے ہی جناب اختر صاحب جنرل سیکریٹری بنا دیے گئے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اختر صاحب جب تک مجلس رضا میں رہے تو سارا علمی اور قلمی کام ماسوائے خطوط نویسی کے وہی کرتے تھے۔ اور خوب والہانہ انداز سے کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت پر جتنے مقالے انھوں نے دو تین سال کے اندر لکھ دیے تھے۔ اتنے جملہ اراکین مجلس رضا سے سولہ سالوں میں نہیں لکھے جا سکے۔ اچانک ۱۹۷۲ء میں اختر صاحب مجلس رضا سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کے علیحدہ ہو جانے کی وجوہات کا مجھے آج تک پتہ نہیں لگ سکا ہے۔

بہرحال اس وقت سے آج تک اختر صاحب کو میں نے خوب قریب سے دیکھا ہے۔ اس دور میں ایسے درویش صفت، دین کا سچا درد رکھنے والے، قلمی میدان میں مشین کی طرح چلنے والے اور اپنی ساری صلاحیتیں اعلائے کلمۃ الحق کے لیے وقف کر دینے والے ڈھونڈھنے سے نہیں ملتے، مگر اختر صاحب کو تو میں نے ایسا ہی پایا ہے۔ بلکہ کیوں نہ یہ کہہ دوں کہ ان کا وجود بریلویوں پر قدرت کا انعام ہے جو ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی طرح اپنے پیرو مرشد، مفتی اعظم دہلی حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء) کی قلمی میدان میں منہ بولتی کرامت ہیں۔ حضرت قبلہ مفتی اعظم دہلی کا پاکستان کے سُنّیوں پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ قلمی میدان کے یہ دونوں شہسوار موصوف ہی کے علمی و روحانی فرزند ہیں۔ اور اپنے اپنے رنگ میں دونوں ہی لاجواب اور عدیم المثال ہیں۔

اختر صاحب کسی علمی یا روحانی گھرانے کے چشم و چراغ نہیں بلکہ وہ ایک صاحب دل زمیندار کے فرزند ہیں۔ اور اسی لحاظ سے وہ اپنے آپ کو خود رو پودا کہا کرتے ہیں۔ ۱۹۶۲ء سے وہ پوری طرح قلمی میدان میں آئے۔ انتھک محنت اور خداداد صلاحیتوں کے باعث وہ اس دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کرتے چلے گئے۔ اور آج پاک و ہند کا شاید ہی کوئی صاحبِ علم سنی ہوگا جو قلمی کارناموں کی روشنی میں انھیں جانتا نہ ہو۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد مسعود صاحب اور محترم اختر شاہجہانپوری صاحب نے اپنے اپنے انداز میں سنی قلمکاروں کو

کام کرنے کا ڈھنگ، ولولہ، شعور اور عشق دیا ہے۔ دونوں کے قلمی کاموں کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آ ہی جاتا ہے ؏

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

اختر صاحب مولداً شاہجہان پوری، ساکناً لاہوری، مسلکاً سنی حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی ہیں۔ قلمی کام کی لگن نے ابتدا ہی سے انھیں گوشہ نشین رکھا ہے۔ شہرت سے بہت بھاگتے ہیں اور شاید ہی کسی نے انھیں سٹیج پر دیکھا ہو، گمنامی کی زندگی بسر کرنا، قناعت کے سہارے جینا اور چند روزہ زندگی کو اعلائے کلمۃ الحق کے لیے وقف کیے رکھنا ہی ان کی سوانح حیات ہے۔ جہاں اپنے مرشدِ گرامی قدر کی محبت اور پیروی کو وہ اپنا سرمایہ حیات شمار کرتے ہیں۔ وہاں چودھویں صدی کے مجدد برحق امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) سے اس درجہ قلبی لگاؤ رکھتے ہیں کہ اس دور میں رضویت کی گویا سند بن چکے ہیں۔

اپنی اس بائیس سالہ قلمی زندگی میں محترم اختر صاحب نے امام احمد رضا خاں بریلوی کے دفاع میں اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرتے ہوئے جتنا کچھ لکھا ہے شاید کسی دوسرے کو اتنا میسر نہ آیا ہو۔ ان کا محاسبہ و محاکمہ اتنا جاندار ہوتا ہے۔ کہ کم از کم میرے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ کوئی بدمذہب ان کی کسی تحریر کا جواب دے سکا ہو۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے محترم اختر صاحب کی خدائے ذو المنن نے اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جو انھوں نے ان لفظوں میں کی تھی۔ ؎

یا الٰہی کلکِ اختر کو بنا کلکِ رضاؔ
دشمنانِ دیں نہ یہ سمجھیں رضاؔ جاتا رہا

یہ خیال صرف اس ناچیز کے ذہن کی پیداوار ہی نہیں بلکہ کسی مبالغے کے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ جو بھی صاحب نظر اور منصف مزاج اختر شاہ جہان پوری کی سفارشات کو نظر غائر سے

دیکھے گا اسے کلکِ اختر کے اندر ضرور کلکِ رضا کی جھلک نظر آئے گی جب موصوف کی مایۂ ناز تصنیف معارف رضا کتابت وتصحیح کے مراحل سے گذر کر زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے کے لیے سال ڈیڑھ سال ترستی رہی تو مصنف نے رضویت کی منہ بولتی تصویر یعنی حضرت مولانا اختر الحامدی الرضوی کے لیے لکھا۔ کہ ۱۹۷۵ء ختم ہونے کو ہے لہٰذا معارف رضا کے لیے چوتھا قطعہ تحریر فرما دیجیے جس میں سال طباعت ۱۹۷۶ء ہو انھوں نے جو قطعہ تاریخ ارسال فرمایا وہ احقر کی پوری پوری تائید کرتا ہے قطعہ یہ ہے۔

اختر ترے نثار ہے کیا سیرتِ رضا ۔۔۔ عمرت دراز باد، دعا یہ خدا سے ہے
احمد رضا کا والا وشیدا نہ تو ہو کیوں ۔۔۔ جب ان کو عشق سرورِ ہر دوسرا سے ہے
تجھ پر نگاہ لطفِ رضا کی ہے رات دن ۔۔۔ یہ اوج علم وفضل انھیں کی عطا سے ہے
سر پر امامِ اہلِ قلم کا سجا ہے تاج ۔۔۔ کیا شان، فضلِ حضرت غوث الوریٰ سے ہے
طرزِ بیاں میں کلکِ رضا کا ہے بانکپن ۔۔۔ ظاہر یہ حسن تیرے قلم کی ادا سے ہے
جنگ آزما و بر سر پیکار رات دن ۔۔۔ تو دشمنانِ ذاتِ شہِ انبیاء سے ہے

تاریخ طبع میں ہے یہ اختر کا فیصلہ
توفیض یاب چشمۂ فیضِ رضا سے ہے

۱۹۷۶ء

پذیرائی :—

محترم اختر شاہ جہان پوری ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۸ء تک مضامین لکھتے اور مذہب اہل سنت کی حقانیت کو اجاگر کرتے رہے۔ موصوف نے مضامین کے ذریعے اپنے قلم کی سحر کاری کا لوہا منوالیا۔ سنی رسائل وجرائد ان سے مضمون حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے اور حق پسندوں کو ان کے مضامین کا بے چینی سے انتظار رہتا تھا۔ ان چھ سالوں میں جب اختر صاحب نے اپنے قلم کے بانکپن کو پوری طرح دکھا دیا۔ تو تصنیف وتالیف کی جانب

متوجہ ہو گئے۔ چنانچہ سب سے پہلے امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر لکھا اور اتنا لکھا کہ لکھتے ہی چلے گئے۔ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۲ء تک متواتر چار سال لکھنے کے بعد دیکھا تو ایک مقالے کے سوا شائع کچھ بھی نہ ہو سکا۔ شاید لکھنے کی یہی لگن تھی جس نے انھیں مجلس رضا سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

۱۹۷۲ء میں وہ مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور کے قریب ہو گئے ان دنوں اہل سنت وجماعت کے لاہور جیسے عظیم شہر میں پانچ چھ مکتبے تھے۔ جو ناشر کم اور کتب فروش زیادہ تھے۔ اگر وہ کلکِ اختر کے بانکپن کو محسوس کر لیتے تو اہل سنت کا یہ مایہ ناز قلم کار آج عالمگیر شہرت اختیار کر جاتا۔ جس سے جہاں مسلک کو بہت فائدہ پہنچتا وہاں اختر صاحب کے قلمی کارنامے ان کے لیے بھی نفع بخش ثابت ہوتے اور سنیوں کے قلمی جمود کو توڑنے میں بڑی مدد ملتی۔

اختر صاحب کو جب یہ محسوس ہو گیا کہ سُنّی ناشرین کو اس بات کا قطعًا احساس نہیں ہے کہ وہ اپنے قلم کاروں کو منظر عام پر لائیں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں تو اس قلم کے دھنی اور قلمی میدان میں ثابت قدم رہنے والے نے اپنا بوجھ بہت ہی ہلکا کر لیا۔ اب تصانیف کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کرنے کے بجائے انھوں نے اہلسنت وجماعت کی شائع ہونے والی کتابوں پر دیباچے لکھنے شروع کر دیے۔ جتنی باتیں وہ ایک ضخیم کتاب کی صورت میں منظرِ عام پر لانا چاہتے تھے۔ انھیں دیباچے میں سمو دیتے جو بر وقت شائع ہو جاتا اور اس طرح متعدد کتابوں پر دیباچے لکھتے ہی چلے گئے۔ اس طرح اہل سنت تک ان کی نگارشات پہنچتی رہیں۔ اور قلمی تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا تو دوسری جانب ان کے چاہنے والوں کی تشنگی بھی دور ہوتی رہی۔ اختر صاحب کا یہ فیصلہ بڑا مناسب اور قابلِ داد تھا۔ یوں وہ منظرِ عام پر بھی آتے رہے اور تصنیف وتالیف میں شب وروز منہمک رہ کر اپنی قلمی تشنگی بھی بجھاتے رہے۔

موصوف کے دیباچے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے مستقل تصانیف سے کسی طرح کم نہیں۔ ہر دیباچہ معلومات کا خزانہ ہے۔ ان سے قلمی کام کرنے والوں کو بڑی مدد ملتی ہے۔ انھوں نے سب سے پہلا دیباچہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہٗ خطیب مسجد داتا دربار لاہور کی کتاب مسلک امام ربانی پر لکھا۔ کتاب کے ساتھ جب یہ معلوماتی دیباچہ اپنے پورے بانکپن کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ تو دیکھنے والے دنگ رہ گئے، اہل علم پھڑک اٹھے اور جو حضرات دوسرے کی تعریف کرنے میں انتہائی کنجوس واقع ہوئے ہیں۔ وہ بھی سراہنے پر مجبور ہو گئے چنانچہ انجمن رضائے مصطفےٰ انجینوٹ کے ناظمِ اعلیٰ نے مولانا محمد انوار الاسلام قادری رضوی مدظلہ العالی کو دیباچے کے بارے میں اپنے تاثرات سے آگاہ کرتے ہوئے یکم ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۷۴ء کو خط لکھا اور تاثرات یوں سپردِ قلم کیے۔

"بندہ نے کتاب مسلک امام ربانی میں حضرت اختر شاہ جہان پوری مدظلہٗ کے تحریر کردہ پیش لفظ کا بغور مطالعہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ نے دورانِ مطالعہ یہی محسوس کیا کہ جناب اختر شاہ جہان پوری ہمارے صاحب طرز اور مایہ ناز اہلِ قلم ہیں۔ آپ کا قلم بدمذہبوں کا کمال مہارت سے پوسٹ مارٹم کرتا ہے کیونکہ وہ پیغام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے باک ترجمان اور اس گئے گذرے زمانہ میں عشقِ رسول کی صلائے عام ہے۔ علمی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ پیش لفظ صورِ اسرافیل ہے۔ مبالغہ نہ ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ حضرت اختر شاہ جہاں پوری کا قلم اپنے علمی جاندار کارناموں کی روشنی میں فی زمانہ شمشیر بے نیام ہے۔ نیز مدلل زور بیان سے محاسبے اور محاکمے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ الحمد للہ ماشاء اللہ سنیوں کے لیے آپ کا وجود نعمت خداوندی ہے۔"

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ ناچیز طالب دعا۔ محمد اسمٰعیل راجپوت

اسی طرح جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے ناظم اعلیٰ جناب مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ العالی نے مسلک امام ربانی کے اس تحقیقی دیباچے کو دیکھا تو بے ساختہ پھڑک اُٹھے۔ ۳۱ ر مارچ ۱۹۷۴ء کو انھوں نے اپنے تاثرات ان لفظوں میں قلمبند کرکے ارسال فرمائے۔

"حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی اور مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہما مسلمانوں کے قابلِ قدر و سرمایۂ افتخار بزرگ ہیں۔ دونوں ہی حضرات نے اپنے اپنے وقت میں اللہ اور رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت سے سرشار ہو کر ایسے مبتدعین ومفسدین کی مساعی کا سدباب کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جو اللہ اور رسول سے مسلمانوں کے تعلق کو کمزور کرنے میں منہمک رہا کرتے تھے۔ مذکورہ دونوں عظیم ہستیوں نے تائیدِ ایزدی کے سہارے اپنے مجددانہ فرائض کی بجاآوری میں کسی بادشاہ کی شہنشاہی اور علمائے سوء کے جم غفیر یا ان لوگوں کے بلند بانگ علمی دعاوی کی قطعًا پرواہ نہیں کی۔ انھوں نے ہر مصلحت کو نظرانداز کرکے محض باری تعالیٰ اجل شانہٗ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دین وملت کی تجدید کا عظیم فریضہ ادا کیا تھا۔

اس واضح حقیقت کے باوجود ملک حسن علی صاحب شرق پوری نے عجیب ہوشیاری سے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی فرضی عقیدت کا دامن تھام کر تعلیمات مجددیہ کتاب لکھ ماری۔ جس میں شیخ مجدد کے مسلک کی خود اپنی کی جھولی میں بیٹھ کر تردید وتضحیک کرنی چاہی یعنی حضرت امام ربانی کے مذہب حقہ اہلِ سنت وجماعت کے بے باک مبلغ وترجمان امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ گویا شیخ سرہندی قدس سرہٗ کی ریش مبارک پہ ہاتھ ڈالنے کی

غرض سے ملک صاحب خود اسی سرکار کی گود میں جا بیٹھے ہیں۔

باری تعالیٰ شانہٗ کی عادتِ کریمہ ہے کہ اپنے خالص بندوں کے ننگ وناموس کی خود حفاظت فرماتا ہے مخالفین اولیائے کرام کے جال کو وقت آنے پر تارِ عنکبوت سے کمزور دکھا دیتا ہے۔ اور اپنے کسی ایسے بندے کو کھڑا کر دیتا ہے جو باطل پرستوں کے چہروں پر نام نہاد حقانیت کی پڑی ہوئی نقابوں کو بڑے سلیقے سے الٹ کر ان کے حقیقی خدوخال ظاہر کر دے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور مجدد مائیہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہما کی مبارک روحوں کا تصرف وفیضان ہے کہ اس سنت الٰہیہ کا مظاہرہ جناب اختر شاہ جہان پوری کے ہاتھوں ہوا۔ اختر صاحب نے مسلک امام ربانی کتاب کے ابتدائیہ میں مکتوبات امام ربانی کے تحت تعلیمات مجددیہ کتاب کی تلبیسات کا پوسٹ مارٹم کر دکھایا۔ کمال مہارت اور وسیع النظری سے مسلک اہلِ سنت وجماعت کی حقانیت کو یوں بیان کیا کہ مخالفین کے فرار کی ہر گلی بند کر دی ساتھ ہی ملک صاحب کی خیانتوں اور مبتدعینِ زمانہ کے خلاف اہلِ حق پر پروپیگنڈے اور اعتراضات والزامات کو باطل پرستی ثابت کر کے خود وہابیہ کی بے شمار مسلمہ کتب تواریخ کی روشنی میں ان کے اکابر کی اسلام دشمنی، منفرد مؤرخانہ انداز میں دکھائی ہے۔ جس کی نظیر اس سے پہلے نظر نہیں آئی۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے اختر صاحب نے دکھا دیا ہے اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا۔

ملک حسن علی صاحب شرقپوری اور ان کے ہمنواؤں کو اختر صاحب کی نگارشات پر ممکن ہے غصہ تو بہت آیا ہو کیونکہ اتنی کامیابی سے وہابیت کے

رنگ برنگے علمبرداروں کے حقیقی خدوخال کسی سے ظاہر نہیں کیے جا سکے تھے۔
اس صاف وشفاف آئینے کو فریقین کے سامنے رکھ دینا مبتدعین کی نظر میں شاید کھٹکے لیکن اس میں بیچارے اختر شاہجہان پوری کا کیا قصور؟ یہ تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی غیرت کا تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قانون کا مظاہرہ ہے جو کلکِ اختر کے ذریعے منظرِ عام پر آیا۔ وہابی حضرات اگر تعصّب کو چھوڑ کر انصاف سے کام لیں تو انھیں اختر صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں نے ان کے شبہات کو مٹا کر راہ ہدایت دکھا دی۔
بہرحال علمائے اہلِ سنت کے ساتھ راقم الحروف بھی اختر شاہ جہان پوری کی ان نگارشات کے پیشِ نظر ان کا شکریہ ادا کرنے پر مجبور ہے۔"

فقط

محمد عبد القیوم ہزاروی غفر لہٗ

جامعہ حنفیہ اشرف المدارس اوکاڑہ کے شیخ الحدیث، علامہ ابو البیان، مولانا غلام علی قادری اشرفی مدظلہ العالی نے مسلک امام ربانی کا دیباچہ پڑھا تو اختر شاہ جہان پوری کے نام فوراً خط لکھا اور تحریر نے جو تاثرات ان کے دل و دماغ پر مرتسم کیے انھیں ۱۲ مئی ۱۹۷۴ء کو یوں سپردِ قلم فرمایا :۔

"اس کتاب کا دیباچہ یعنی پیش لفظ پڑھنے سے دل باغ باغ ہو گیا۔ علامہ اختر شاہجہان پوری نے وہابیہ اور دیوبندیہ کی انگریز دوستی اور فرنگی نوازی اور حکومت برطانیہ سے وفاداری کے بارے میں ان حیرت انگیز حقائق کا انکشاف کیا ہے کہ شاید کسی دوسری کتاب میں مجموعی طور پر اتنا

ٹھوس تاریخی مواد ایک جگہ جمع نہ مل سکے میری رائے میں اگر پیش لفظ میں کچھ ترمیم و اضافہ کر کے مستقل کتابچے کی شکل میں شائع کر دیا جائے، تو اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگا اللہ تبارک و تعالیٰ جناب مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد و صلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین "

الفقیر الی اللہ الغنی
غلام علی قادری اوکاڑوی

عاشق اعلیٰ حضرت رضویت کی منہ بولتی تصویر اور حسّانِ پاکستان علامہ اختر الحامدی الرضوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء) نے مسلک امام ربانی کا یہ دیباچہ پڑھا تو حیران رہ گئے۔ سادر ہمیشہ کے لیے وہ علامہ اختر شاہ جہان پوری کے ہاتھوں تک گئے ۱۹ جون ۱۹۷۴ء کے گرامی نامے میں دیباچے کے چند صفحات پڑھتے ہی انھوں نے یوں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا:۔

" کتاب بہت خوب ہے، بہت ہی خوب اور دیباچہ اس کی روح، میرا خیال ہے کہ یہ دیباچہ علیحدہ بھی کتابی شکل میں شائع ہو جائے تو بہتر ہے کہ کم قیمت پر ہر غریب خرید سکے اور فائدہ اٹھا سکے۔ آپ کی تحریر کیا ہے غضب، قیامت، کیا روانی ہے؟ کیا سلاست ہے اور اس کے ساتھ ہی حسن استدلال سبحان اللہ۔ یقین جانیے مجھے تو آپ کی تحریر پر رشک آتا ہے۔ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ "

اختر الحامدی الرضوی

صاحب دیباچہ نے گذارش کی کہ حضور والا تعریف و توصیف تو مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی آپ تنقیدی نظر سے دیکھیں اور احقر کو غلطیوں سے مطلع فرمائیں تاکہ میری اور دیباچے کی اصلاح ہو جائے۔ اس کے جواب میں علامہ اختر الحامدی الرضوی نے یکم جولائی ۱۹۷۴ء کے گرامی نامے میں فرمایا:۔

"آپ کا پیش لفظ تعریف سے بے نیاز ہے تنقید؟ چہ خوب! آپ نقاد کو قلم رکھنے ہی کب دیتے ہیں؟ اور اس میں خامیاں ہیں کہاں؟ گستاخی معاف اگر کتاب سے پیش لفظ کو علیحدہ کر دیا جائے تو کتاب کی معنوی خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے۔ کتاب کی جان جناب کا دیباچہ ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس دیباچہ کو علیحدہ بھی شائع کیا جائے۔ جناب کے دیباچے کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بھی بہت بڑے مقدمہ باز ہیں۔ یعنی اپنے دور کے سب سے بڑے مقدمہ نویس۔ مقدمہ نویسی کے فن پر آپ کو مکمل عبور حاصل ہے۔ اور آپ کی گرفت اس پر مضبوط ہے۔

اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ

کاش کوئی دردمند آپ کے یہ تمام شہ پارے ایک جگہ جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کرادے۔ اے کاش کہ میں لاہور میں ہوتا اور ان کو جمع کر سکتا۔"

دسمبر ۱۹۷۴ء میں مولانا اختر الحامدی الرضوی کو معلوم ہوا کہ ان کے نعتیہ مجموعہ کلام نعت محل کا دیباچہ بھی مولانا مظفر اقبال صاحب اختر شاہ جہان پوری صاحب سے لکھوا رہے ہیں۔ یہ معلوم ہونے پر انھیں بے حد مسرت ہوئی اور ۴ جنوری ۱۹۷۵ء کے مکتوب گرامی میں

انھوں نے یہ بھی فرمایا :۔

"مولانا مظفر اقبال صاحب نے دیباچہ کے لیے آپ کا انتخاب فرما کر ذہانت کا ثبوت دیا۔ نہ صرف پنجاب بلکہ پاکستان میں (بلا مبالغہ) آپ سے بہتر ہم غربائے اہلِ سنت میں کوئی اس قدر زود نویس اور مدلل لکھنے والا مجھے تو نظر نہیں آتا۔ مولانا صد مبارکباد کے مستحق ہیں بیماریوں کا کیا ہے؟ یہ تو زندگی کے ساتھ ہیں۔ آپ کو ہم ہتھیار رکھنے نہیں دیں گے۔ ہماری فوج میں عالمانہ ہتھیار تو سب کے پاس ہیں لیکن صرف ہتھیار جسم پر سجانے سے تو کام نہیں چلتا، جوانمردی اور دلیری کی بھی ضرورت ہے۔ ...... کو جواب دینے کے لیے آپ سے بہتر بہادر، دلیر، جوانمرد، اہلِ قلم یقین جانیے کوئی بھی تو نہیں۔ دل چھوٹا نہ کیجیے ان .... کے خلاف لکھتے رہیے۔ یقین جانیے کہ بزرگانِ دین اور حضور سیدنا اعلیٰ حضرت کی مدد آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کی پشت پناہ ہے۔ لکھتے رہیے شب و روز لکھتے رہیے۔"

حیدر آباد (سندھ) کی معروف دینی درسگاہ احسن البرکات کے ناظمِ اعلیٰ علامہ خلیل احمد خاں قادری مدظلہ العالی کے فرزند ارجمند، مولانا احمد میاں حافظ البرکاتی مدظلہ نے ترجمان اہلسنت کراچی میں کتاب مسلک امام ربانی پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے اس دیباچے کے متعلق یہ بھی لکھا :۔

"کتاب کے شروع میں محترم مولانا اختر شاہجہان پوری مظہری کا تحریر کردہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل پیش لفظ ہے جو بجائے خود ایک مدلل اور

محقق رسالہ ہے۔ اختر صاحب موصوف نے پیش لفظ میں ملک حسن علی اور ان کی تعلیمات مجددیہ کی جس شاندار طریقہ پر دھجیاں بکھیری ہیں وہ لائق صد تحسین ہے۔ فاضل موصوف نے مختصر طریقہ پر تیرہ مقامات شمار کرا کے ملک حسن علی صاحب سے سوالات کیے ہیں کہ کیا دیوبندوں کے اکابرین کے یہی عقائد ہیں جو حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں بیان فرمائے ہیں۔ اس کے برعکس ملک صاحب کے دیوبندی اکابرین کے عقائد یکسر طور پر حضرت مجدد کے بیان فرمودہ عقائد سے مختلف ہیں لیکن پھر بھی تعلیمات مجددیہ کے مصنف ملک حسن علی صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ حضرت مجدد کی تعلیمات اور دیوبندیوں کی خرافات ایک ہی ہیں۔ اس پر بس نہیں بلکہ مصنف نے موجودہ اہلسنت وجماعت اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تضاد ثابت کرنے کی مشق فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ملک صاحب لکھتے ہیں: "مولانا احمد رضا خان بریلوی نے جو بریلوی حضرات کے نزدیک دور حاضر کے مجدد ہیں اور جنھیں حضور پرنور، اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، عظیم المرتبت، مجدد مائۃ حاضرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے برعکس بدعات کی خوب تلقین کی بلکہ اس کی نشر واشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف رکھی۔"
مولانا اختر شاہ جہان پوری نے اس قسم کے تمام لغو وباطل اعتراضات کا مفصل اور مدلل جواب اپنے انوکھے اور نرالے قلم سے احسن طریقہ پر اس پیش لفظ میں دیا ہے۔ جو اپنی مثال آپ ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ اہل حدیث، دیوبندی، نیچری، مرزائی، منکرین حدیث وغیرہ برٹش گورنمنٹ کے دور کی پرفتن یادگاریں ہیں۔ جملہ مبتدعین اپنے روز اول ہی سے اہل سنت و

وجماعت سے انگریزوں کی ہدایت کے مطابق برسرپیکار رہے اُر ہے ہیں اوراپنی ناپاک کرتوتوں سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لیے اہلسنت وجماعت کو مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا جاری کردہ فرقہ بتاتے رہتے ہیں۔

اختر صاحب نے لکھا ہے :۔

حقیقت یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں فرقہ سازی اور گروہ بندی کا سنگ بنیاد انگریزوں نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) سے رکھوایا۔ الغرض یہ کتاب یکساں طور پر ہر شخص کے لیے انتہائی مفید ہے۔ مکتبہ حامدیہ نے اسے طبع کر کے ایک بہت بڑی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔ کتاب کی اشاعت پر فاضل مصنف اور اختر شاہ جہان پوری مبارکباد کے مستحق ہیں جیسی کتاب کی تزئین خوب صورت ہے اسی طرح ہر لحاظ سے مضمون نہایت حسین وجمیل خصوصاً اختر شاہجہان پوری کا دیباچہ قابلِ مطالعہ اور لائقِ داد ہے" [۱]

منڈی بوریوالہ کے خطیب اعظم علامہ شبیر احمد ہاشمی مدظلہ نے کتاب مسلک امام ربانی اس دیباچے کے ساتھ پڑھی تو بے حد متاثر ہوئے اور مکتبہ حامدیہ والے مولانا انوار الاسلام قادری رضوی مدظلہ کے نام ۱۲ جولائی ۱۹۷۴ء کو خط لکھا اور اس میں دیباچے کے متعلق یوں اپنے تاثرات بیان کیے۔

" اس کتاب مسلک امام ربانی کے آغاز میں پیش لفظ کے عنوان سے

---

[۱] ترجمان اہلسنت، کراچی، بابت اگست ستمبر ۱۹۷۴ء ص ۱۱۴ تا ۱۱۶

۱۰۹ صفحات کا جو مقالہ حضرت عبدالحکیم خان صاحب اختر شاہجہانپوری نے قلمبند فرمایا ہے۔ وہ تو اپنی مثال آپ ہے یعنی کتاب اگر جسم ہے تو اختر صاحب کا پیش لفظ جان ہے۔ اختر صاحب نے خانوادہ توہینِ رسول کے تمام مکائد کو علمی اور ادبی انداز میں جس طرح للتاڑا ہے اور ان کے استدلال واستنباط کی جس طرح چھاڑ کی ہے باید وشاید۔ حضرت اختر صاحب نے حدیث مجدد سے استدلال فرما کر حضرت مجدد الف ثانی اور مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کے کارہائے تجدید دین کو مختصر اور جامع الفاظ میں سمویا بھی ہے۔ اغیار سے دفاع بھی کیا اور عقائد حقہ، اہلسنت وجماعت کو مبرہن بھی فرمایا ہے۔

اس پیش لفظ کو پڑھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اختر شاہجہانپوری محض ایک نغز گو شاعر ہی نہیں ایک صاحب طرز قلمکار اور صاحب علم محقق اہلسنت بھی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت موصوف کے رگ وریشہ میں رچی بسی ہوئی ہے۔ اختر صاحب کے قلم کو رضا کے فیض سے خنجرِ خونخوار اور برق بار کہا جائے تو مبالغہ نہیں ان کے اور اہلسنت کے اعداء نے تعلیمات مجددیہ کے نام سے خیبر کو چیلنج کیا اور شر کو ابھارا تو اختر صاحب کے قلم نے شر کو ٹھکانے لگایا اور خیبر کا دفاع کیا۔

اختر صاحب کے قلم کی رعنائی اس لحاظ سے بھی دیدنی ہے، کہ وہ ...... دینی اعداء اور دشمنان اہل سنت کے درون خانہ سے خاصی واقفیت رکھتے ہیں مجھے پیش لفظ پر پیش لفظ لکھنا مطلوب نہیں ورنہ میں اختر صاحب کی عبارات کی ادبی، فنی اور دینی معلومات کی گہرائیوں کو منسلک ترتیب میں

پر وکر واضح کرتا۔ میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال حضرت موصوف پر اپنا فضل وکرم اور اپنے حبیب انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت دائم و قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام

شبیر احمد ہاشمی غفرلہٗ

۱۹۷۵ء میں مکتبہ فریدیہ ساہیوال کی معرفت الصوارم الہندیہ نامی کتاب دوبارہ منظرِ عام پر آئی حافظ نعمت علی صاحب نے اس کتاب پر محترم اختر شاہ جہان پوری سے دیباچہ لکھوایا تھا جب یہ عدیم المثال دیباچہ انجمن رضائے مصطفےٰ چنیوٹ کے ناظمِ اعلیٰ جناب محمد اسمٰعیل راجپوت صاحب نے پڑھا تو ۸ ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کو خط لکھتے ہوئے اپنے تاثرات سے یوں مطلع فرمایا :۔

در سلام مسنون کے بعد کتاب الصوارم الہندیہ میں جناب کا تحریر کردہ پیش لفظ بغور مطالعہ کیا اور اتنا متاثر ہوا کہ مذکورہ تحریر شاتمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شمشیرِ بے نیام ہے۔ جس کے آگے ہر گستاخ کے دلائل گاجر مولی کی طرح کٹتے نظر آرہے ہیں اور دوسری طرف اس تحریر میں ایک ایسا چیلنج اور تعاقب ہے جس طرح شیر ببر کے آگے لومڑیاں دُم دبا کر راہِ فرار اختیار کیے جا رہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے عام فہم انداز میں سنی عوام کو راہِ حق پر گامزن کیا ہے۔ آپ کے قلم میں جہاں تلوار کی سی کاٹ ہے۔ وہاں پر دلائل و براہین کے وہ موتی بکھرتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ سبحان اللہ! آپ کا قلم ادب کی رفعتوں کو چھو کر گستاخانِ مجددِ برحق امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے پیچھے بپھرے ہوئے شیر کی طرح دوڑتا ایسے ایک ایک کو چن کر اور ہر بہتان تراش کے لیے یوم حساب پیدا کر دیتا ہے۔

آپ نے اس تحریر میں توحید کے نام نہاد ٹھیکیداروں کی بے ہودہ الزام تراشیوں اور بہتانوں کو فضائے آسمانی میں ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا ہے خصوصاً آپ نے سرفراز گکھڑوی کا خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے اور اس کی بددیانتی کا ایسا نوٹس لیا ہے کہ قلم کی عصمت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے تحریر میں موجودہ حالات اور دور حاضرہ کے تقاضوں کے پیش نظر ایک اہلِ قلم کا کردار اس خوبی سے سرانجام دیا ہے کہ ہر سنی کا سر فخر سے بلند ہے۔ لہٰذا بندہ ان حقیر سے جذبات اور احساسات کے ذریعے آپ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے اور عرض کیے بغیر نہیں رہ سکا کہ

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اور ساتھ ہی بندہ آپ کے قلم کی جولانیوں اور روانیوں کے لیے بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہے کہ ربِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قلم کو مزید قوت اور ہمت عطا فرمائے آپ کی ذات سنیوں کے لیے باعث فخر ہے۔ اور آپ کا قلم مخالفین اہلِ سنت کے لیے شمشیر بے نیام ہے۔ لہٰذا بندہ کے ان حقیر سے جذبات کو بطور تبریک قبول فرمائیں۔ اور اپنے قلمی جہاد کو اسی طرح جاری رکھیں۔ خداوند کریم آپ کا حامی و ناصر ہو۔

فقط والسلام

طالب دعا:۔ محمد اسمٰعیل راجپوت

مولانا اختر الحامدی الرضوی رحمۃ اللہ علیہ نے الصوارم الہندیہ اور رسائل رضویہ جلد دوم پر لکھے ہوئے اختر صاحب کے دیباچے پڑھے تو ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو اختر شاہجہانپوری

کے نام خط لکھا اور اپنے تاثرات کو اس کے اندر یوں سپردِ قلم کیا تھا :۔

"تاخیر کا سبب حضور کے دیباچوں کا عمیق مطالعہ ہے، پڑھا، پھر پڑھا، پھر پڑھا اور اب تک جی نہیں بھرا ایک ایک حرف پر زبان سے واہ اور دل سے دعا نکلتی رہی۔ سبحان اللہ! کیا زورِ قلم ہے؟ یہ دیباچے حقیقتاً ان تصانیفِ عالیہ کی شرح ہیں جن کے مطالعے کے بغیر ایک عام قاری ان کی مقصدیت نہیں سمجھ سکتا۔ کاش کہ ہم غربائے اہلِ سنت کو (جن کے ہاں اچھے لکھنے والوں کا قحط ہے) آپ جیسے دو چار لکھنے والے اور مل جاتے۔ بلا مبالغہ آپ پاکستان کے ارشد القادری ہیں۔ اور یہ الفاظ لکھتے وقت میرا سر فخر سے بلند ہے۔ افسوس کہ حضور نے تاحال اپنے دیباچے مقدمات اور مقالات یکجا کر کے احقر کو عنایت نہیں فرمائے۔ تاکہ احقر بھی اپنے دل کے حوصلے نکال سکتا۔ مولیٰ تعالیٰ حضور کو مذہب حقہ، اہلسنت و جماعت کے لیے تا دیر زندہ و سلامت رکھے اور جملہ افکار و حوادث سے محفوظ و مامون"

موصوف نے اسی ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو مکتبہ حامدیہ لاہور والے مولانا انوار الاسلام صاحب کے لیے بھی خط لکھا جنھوں نے رسائلِ رضویہ جلد دوم کتاب چھاپی تھی اور جن کی معرفت علامہ اختر شاہجہان پوری کی نگارشات منظرِ عام پر آ رہی تھیں۔ اسی خط میں انھوں نے اختر شاہجہان پوری کے متعلق فرمایا :۔

" اس کتاب (رسائل رضویہ، جلد دوم) کے ساتھ حضرت علامہ مدظلہ نے الصوارم الہندیہ مطبوعہ مکتبہ فریدیہ کی ایک جلد بھی ارسال فرمائی۔ ان دونوں

حضرت موصوف کے مرقومہ دیباچے پڑھ کر طبیعت باغ باغ ہو گئی تو دیباچے
کیا ہیں کتاب کی شرح ہیں ایک ایک حرف پر واہ واہ زبان سے ادا ہوتا رہا
اور دل سے دعائیں نکلتی رہیں ہیں بلا مبالغہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ
مولیٰ تعالیٰ نے ہم پاکستان کے اہلسنت وجماعت کو ایک ارشد القادری،
اختر شاہ جہاں پوری کے لباس میں مرحمت فرمادیا ہے۔
تحریر میں سادگی کے ساتھ وہی بانکپن، الفاظ کا ایسا رکھ رکھاؤ
جیسے موتی جڑ دیے ہوں ان دونوں دیباچوں میں حضرت علامہ موصوف
اپنی پوری آب وتاب سے جلوہ گر ہیں۔ اگر اب بھی ہم انھیں رئیس التحریر
اور امام القلم تسلیم نہ کریں۔ تو یہ حضرت قبلہ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ مولیٰ
تعالیٰ انھیں خدمتِ دینِ متین اور مجھ جیسے لوگوں کی رہبری کے لیے تادیر
زندہ سلامت رکھے آمین۔"

ستم ظریفی :

قارئین کرام! آپ نے محترم اختر شاہجہان پوری کی اپنوں میں پذیرائی اور مقبولیت
کا اندازہ تو کر لیا ہو گا۔ جبکہ طوالت کے خوف سے ہم نے بے شمار تاثرات اور تبصروں
میں سے صرف چند ہی پیش کیے ہیں اور وہ بھی ابتدائی دو دیباچوں کے بارے میں۔
یہاں قارئین کو ایک بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ یہ اختر صاحب کا اصل کام نہیں ہے کیونکہ
اسے منظرِ عام پر لانے کی تو سنی ناشرین نے آج تک ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی ہے۔
نہ سنیوں کو ان سے کما حقہٗ استفادہ کرنے دیا اور نہ ان کی حوصلہ افزائی کے لیے خاطر خواہ
قدم بڑھایا۔ بلکہ بعض حضرات نے اپنی بساط کے مطابق حوصلہ شکنی میں کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہ کیا۔

کیا یہ حیرانی کی بات نہیں کہ جس نے دو درجن کے قریب تحقیقی کتابیں لکھیں اور ایک درجن کتابوں کے ترجمے کر دیے ہوں اس کے اتنے کام سے تیرہ سالوں (۱۹۶۸ء تا ۱۹۸۱ء) میں منظر عام پر صرف چار کتابیں آئیں۔ یعنی ایک مقالہ، ایک تصنیف اور دو ترجمے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

☆ ۱۔ اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام۔
شائع کردہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۷۱ء

☆ ۲۔ ترجمہ جواہر البحار، جلد اوّل
شائع کردہ مکتبہ حامدیہ، گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۷۵ء

☆ ۳۔ تجلیات امام ربانی
شائع کردہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۷۸ء

☆ ۴۔ ترجمہ کتاب الشفاء، جلد اوّل
شائع کردہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۷۹ء

ان حالات میں بیچارہ اختر شاہ جہان پوری اس کے سوا اور کیا کرتا کہ اپنے ناشرین کی بے حسی کا ماتم کرتا ہوا دیباچے لکھنے پر اکتفا کرے تاکہ میدان میں بھی قائم رہے اور کم از کم اپنے قارئین کو مایوس نہ ہونے دے۔ یہ اختر صاحب کے عزم و استقلال اور خدمت دین متین کے والہانہ ذوق کی ایسی مثال ہے جس کی اس دور کے اندر شاید انہوں میں کوئی مثال نہ مل سکے۔ ۱۹۸۰ء کے آخر میں جب کئی سالوں کے بعد اختر صاحب سے ملاقات ہوئی اور راقم الحروف ان حالات پر مطلع ہوا تو اپنوں کی بے بسی کے باعث ایسے گوہر آبدار کی بے قدری کا بڑا صدمہ ہوا۔

۲۔ علاوہ بریں ۱۹۶۹ء-۷۰ء میں جبکہ مرکزی مجلس رضا لاہور گھٹنوں چل رہی تھی تو اراکینِ مجلس کا ارادہ ہوا کہ ہم انوار رضا کے نام سے ایک تحقیقی مجموعہ منظرِ عام پر لائیں جس میں

ایسے مضامین ہوں کہ ان سے اعلیٰ حضرت کے حالات و کمالات کے مختلف پہلو اجاگر ہو جائیں اور ان کے متعلق پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی بساط بھر کوشش کی جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر پاک و ہند کے مختلف علمائے کرام کی خدمت میں خطوط ارسال کر کے ان سے معلوماتی مضامین مانگے گئے لیکن ان حضرات نے مایوسی کے سوا اراکین مجلس کو کچھ اور نہ دیا۔

مذکورہ صورتِ حال بڑی حوصلہ شکن تھی۔ لیکن آفرین ہے اختر شاہ جہان پوری کی ہمت مردانہ کو کہ انھوں نے خیالی دنیا میں تعمیر کیے ہوئے مجلس رضا کے محل کو مسمار نہ ہونے دیا۔ اور مختلف موضوعات پر امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آٹھ مقالوں کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھا لیا۔ کم از کم میں یہ معلوم کر کے حیران رہ گیا کہ ۱۹۷۰ء کے ختم ہونے سے پہلے اختر صاحب نے وہ آٹھوں مقالے مکمل کر لیے اور ان میں سے دو مقالوں کے اندر محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے کانٹ چھانٹ کروائی۔ اور شائع کروانے کی غرض سے انھیں دوبارہ لکھوایا گیا۔ یہ بات میں آج تک نہیں سمجھ سکا اور یقیناً ہے بھی میری سمجھ بوجھ سے بالاتر کہ "مجلسِ رضا لاہور" کے تحت فاضل بریلوی پر لکھے ہوئے ان آٹھوں مقالوں میں سے آج تک مرکزی مجلسِ رضا لاہور نے ایک بھی مقالہ کیوں شائع نہیں کروایا ہے؟

۳۔ مرکزی مجلس رضا، لاہور نے تجلی المشکوٰۃ کے بعد امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر جو سب سے پہلا مقالہ شائع کروایا وہ اختر شاہ جہان پوری کا لکھا ہوا ہے۔ یعنی اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام۔ اس کی کتابت لیتھو پر ہوئی اور منظر عام پر آیا تو اغلاط سے مالا مال تھا جہاں مجلس رضا نے دوسرے مقالوں کے متعدد ایڈیشن شائع کروائے وہاں معلوم نہیں کس مصلحت کے تحت اس مقالے کو غلطیوں سے پاک کر کے ایک دفعہ بھی آفسٹ پر شائع کروانے کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی گئی۔ دریں حالات

کیا اختر صاحب یہ نہ کہتے ہوں گے ؎

لاؤ تو قتل نامہ ذرا ہم بھی دیکھ لیں
کس کس کی مُہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

۴۔ تین درجن کتابوں سے چار منظرِ عام پر آئیں جن میں سے دو یعنی "اعلیحضرت کا فقہی مقام" اور تجلیات امام ربانی کتابت کی اتنی غلطیوں سے لبریز ہو کر کہ منصۂ شہود پہ جلوہ گر ہوئیں کہ پاکستان میں شائع ہونے والی شاید کوئی کتاب غلطیوں میں ان کا مقابلہ نہ کر سکے باقی صحیح صورتِ حال میں رہ گئے صرف دو ترجمے۔ ان میں سے ترجمہ جواہر البحار جلد اوّل کے متعلق جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے ایک مدرس جناب حافظ عبدالستار صاحب نے اپنی کتاب مرآۃ التصانیف میں صاف لکھ دیا کہ یہ ترجمہ جامعہ رضویہ فیصل آباد کے شیخ الحدیث علامہ غلام رسول مدظلہ العالی کا ہے اور دیباچہ اختر شاہجہان پوری نے لکھا ہے اختر صاحب کہتے ہوں گے ؎

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

حافظ عبدالستار صاحب کی توجہ اس کارگزاری کی طرف مبذول کرائی گئی تو فرمایا کہ میں نے ایسا ہی سُنا تھا عرض کی گئی کہ حضور والا آپ کی تحقیقات کا دارومدار سنی سنائی باتوں پر ہوتا ہے؟ چلیے جب ایسا ہی سنا تھا تو اب اپنی آنکھوں سے دیکھنا کہ ترجمہ کس کا ہے؟ پھر انھیں بتایا گیا کہ مولانا غلام رسول صاحب نے واقعی جواہر البحار کا ترجمہ کیا تھا۔ مولانا انوار الاسلام صاحب نے جلد اوّل کی کتابت بھی کروالی تھی جب چند علماء کو دکھایا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ یہ ترجمہ نہیں چلے گا۔ رقم بھی ضائع جائے گی۔ کیونکہ ترجمہ ایک کوڑی کا بھی نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف نے اس کے شائع کروانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اسے مسودے کے ساتھ سنبھال کر رکھ دیا اس کے بعد دوستی کے تحت اس عاجز سے ترجمہ کروایا

کیونکہ وہ مشتہر کر بیٹھے تھے۔ راقم الحروف نے ان کے کہنے پر ترجمہ کیا جس کا ایک ایک لفظ میرا اپنا ہے۔ اور ہر فقرہ اس بات کی واضح شہادت دے رہا ہے۔ مولانا انوار الاسلام صاحب کے پاس دونوں ترجموں کے مسودے اور کتابیں دیکھ کر تسلی کر لینا۔ حافظ صاحب نے وعدہ فرمایا کہ اصلاح کر دی جائیگی۔ وعدہ تو کر لیا لیکن اصلاح کہاں سے کرتے جبکہ اس خیانت اور یارکشی کا ارتکاب دانستہ کیا بلکہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت انھیں یہ کرامت دکھانے پر مجبور کیا گیا تھا۔

۱۹۸۱ء کے آخر میں سنی رائٹرز گلڈ کا سالانہ اجلاس ہوا تاکہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں چھپنے والی کتابوں پر اوّل، دوم اور سوم انعام دیا جائے۔ اوّل، دوم اور سوم قرار دینے کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا گیا بورڈ نے فیصلہ سنایا کہ اوّل انعام اسی مرأۃ التصانیف کے مصنف کو ملنا چاہیے جس نے دیانت داری کا ریکارڈ قائم کرتے ہوئے اتنی بڑی کرامت دکھائی ہے۔

۲۶ مارچ ۱۹۸۲ء کو اختر صاحب نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ سے گذارش کی کہ حضور والا! آپ تو فرماتے تھے کہ مرکزی مجلس رضا کی طرح اب سنی رائٹرز گلڈ بھی میرا ہی نام ہو کر رہ گیا ہے۔ مانا کہ اس شرارت سے آپ کو مطلع نہیں فرمایا گیا ہوگا، جو مرأۃ التصانیف میں کی گئی لیکن جب کہ راقم الحروف نے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس سازش کا جناب سے ذکر کر دیا تھا تو اس کے باوجود اصلاح کی بات کو دفن کیوں کیا؟ پھر اس خیانت پر سزا نہیں دی جا سکتی تو انعام کس خوشی میں دیا گیا۔؟ فرمایا گیا یہ اراکین بورڈ ہی بتا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کا انصاف "جامعہ نظامیہ" کے جبوں اور عماموں کے نیچے دب گیا ہوگا۔ ؎

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

۵۔ کس نے یہ خبر پڑھی یا سنی نہیں کہ ۱۹۷۲ء میں اختر شاہ جہانپوری نے ایک کتاب "معارف رضا" کے نام سے امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارنامے پر چار جلدوں میں مکمل کر لی ہے جس کی ہر جلد کم و بیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ مختلف کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ اخبارات و رسائل نے اسے مشتہر کیا اور ۱۹۷۵ء میں ترجمانِ اہلسنت، کراچی نے چاروں جلدوں کا علیحدہ علیحدہ تفصیلی تعارف شائع کیا ملک کے گوشے گوشے سے ان کی مانگ ہو رہی تھی کہ شائع ہوتے ہی مطلع کیا جائے۔

مکتبہ حامدیہ والے مولانا انوار الاسلام صاحب نے ۱۹۷۴ء میں معارف رضا جلد اوّل کی کتابت کروالی تھی۔ ۱۹۷۵ء میں جلد اول تصحیح سے آراستہ ہو کر پریس کی جانب پر تول رہی تھی کہ مولانا انوار الاسلام صاحب بھی کسی سازش کا شکار ہو کر اختر شاہ جہان پوری سے بگڑ بیٹھے اور کتاب کی اشاعت کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ جب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کو حضرت مولانا نے ثالث تجویز کیا۔ تو اختر صاحب نے بھی انھیں منظور کرتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ آپ جو فیصلہ کریں مجھے منظور ہوگا۔ حکیم صاحب فیصلے کے لیے ان کی دکان پر تشریف فرما ہوئے تو مولانا مدظلہ نے ان کی ایک نہ مانی اور بیسیوں حضرات کی موجودگی میں دونوں حضرات کی تُو تُو میں میں پر جا کر بات ختم ہو گئی۔

رضا پبلیکیشنز والے میاں زبیر احمد صاحب اسی روز معارف رضا، جلد اوّل کی کتابت خریدنے کے لیے تیار تھے۔ اور اس کے بعد بھی خریدنے کا ارادہ ظاہر کرتے رہے لیکن یہ نہ معلوم نہ ہو سکا کہ آج تک خرید کیوں نہ سکے؟

مکتبہ فریدیہ ساہیوال والے حافظ نعمت علی صاحب بھی اس کتابت کو خریدنے کے لیے تڑپتے پھرتے تھے لیکن خدا بہتر جانے انھیں کس نے روکا یا وہ کیوں رُک گئے؟ مولانا ابوداؤد صاحب کو بھی تحریری یقین دلایا تھا کہ جو فیصلہ آپ کریں اختر شاہجہانپوری اسے

قبول کرے گا۔ لیکن موصوف نے منصف کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔
اکثر علمائے کرام خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں معلوم نہیں کیوں ؟

بات تو صرف اتنی ہے کہ کتاب شائع ہو جاتی جس کے باعث مصنف کی حوصلہ افزائی ہوتی اور قارئین کو اس سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا۔ علوم معارف کا یہ خزانہ آج تک زندہ در گور ہے ۔ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس ستم ظریفی کو کیوں روا رکھا گیا ؟ کہیں یہ کوئی متفقہ و مشترکہ سازش تو نہیں ؟ خدا جانے ایسا کرنے والوں کو اس میں دارین کی کون سی بھلائی نظر آئی اور اس سے مسلک کو کیا فائدہ پہنچا ؟

۴۔ ۱۹۷۶ء میں المیزان ، بمبئی کا امام احمد رضا نمبر شائع ہوا۔ اس کے اندر ان کتابوں کی فہرست بھی پیش کی گئی جو امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر لکھی گئی تھیں المیزان والوں کو ان کتابوں سے مطلع کرنے والے پاکستانی حضرات تھے۔ جو اختر شاہ جہان پوری کو اچھی طرح جانتے ہیں قارئین کو اس بات پر حیرت ہوگی کہ اس فہرست کے اندر بعض ان کتابوں کو بھی شامل کیا گیا۔ جن کا اس وقت تک ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا تھا۔ بلکہ زیر غور ہوں گی۔ لیکن معارف رضا کی چار جلدوں کو اس فہرست میں شامل کرنا غالباً مناسب نظر نہ آیا ہوگا۔ حالانکہ یہ بات بھی ان کے علم میں تھی کہ جلد اوّل کی کتابت بھی ہو چکی ہے۔ اختر صاحب نے اس سلسلے میں المیزان والوں کے لیے خط لکھا تھا جو المیزان بمبئی ، بابت مارچ ، اپریل ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۴۰ اور ۴۱ پر شائع ہوا تھا۔ اپنے اس مکتوب میں اختر صاحب نے اس بات ، کا ذکر یوں کیا ہے ۔

" دوسری بات جس پر میں حیران ہو کر رہ گیا یہ ہے کہ اس مبارک مجموعے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر لکھے ہوئے چند صفحات کے کتابچوں کا ذکر بھی ہوا اور وہ کتابیں بھی فہرست میں شامل نظر آئیں جن کا ایک لفظ ابھی لکھا ہی نہیں گیا۔ لیکن اس لمبی چوڑی فہرست میں اگر کسی کتاب کا

نام نظر نہیں آیا تو وہ چار ہزار صفحات پر مشتمل ننھی منی سی کتاب معارفِ رضا ہے۔ جن حضرات نے ان کتابچوں اور پمفلٹوں کو اس فہرست میں شامل کروایا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انھوں نے معارفِ رضا کا ذکر نہ کرنے میں سُنّیوں کی کیا بہتری سمجھی ؟"۔

بہرحال اختر صاحب کے ساتھ اپنے ہی بعض علماء نے وہ ناروا سلوک کرنا بھی ضروری سمجھا جو قطعاً ان کی شان کے شایان نہ تھا۔ اور نہ اختر صاحب ہی ایسے سلوک کے مستحق تھے یقیناً اس یارکشی اور برادرانِ یوسف والے سلوک سے جہاں اختر صاحب کے دل کو دُکھ پہنچتا رہا ہوگا۔ وہاں ایسے مہربانوں نے مسلک کو نقصان پہنچایا۔ حالانکہ اختر شاہجہان پوری جیسا قلم کا دھنی آج کسی زندہ جماعت میں ہوتا تو اسے سر آنکھوں پر جگہ ملتی۔ اور اس کی شہرت کے آسمان میں چار چاند لگے ہوتے۔ موصوف کے ساتھ اپنے ہی بعض ساتھی جو نامناسب سلوک کرتے آئے۔ جس کا ذکر گزشتہ سطور میں ہم نے کیا اور ایک ہلکا سا خاکہ پیش کر دیا ہے۔ اس کے باعث اختر شاہجہان پوری ہی کا یہ شعر بار بار یاد آتا ہے ؎

دوستوں نے جب ہمیں الفت کی دی اتنی سزا
دشمنوں کی سب جفاؤں کا گلہ جاتا رہا

کچھ شگفتہ تذکرے :

اختصار کے ساتھ کلکِ اختر کے بارے میں گزشتہ سطور کے اندر کافی لکھا جا چکا ہے۔ اب ہم اپنے درویش صفت، صوفی منش، قناعت پسند اور اعلائے کلمۃ الحق کے شیدائی قلمکار کی سیرت کے بارے میں چند واقعات پیش کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۸ فروری ۱۹۷۶ء کو موصوف کے دوسرے صاحبزادے غلام مرتضیٰ کا انتقال ہوگیا اختر صاحب نے

اس کی یاد میں ایک مرثیہ لکھا جو ماہنامہ ترجمان اہلسنت، کراچی نے جون ۱۹۷۶ء کے پرچے میں شائع کیا مرثیہ کے یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

خادم دیں بن کے ابھریں یہ ہے بچوں سے غرض
ورنہ یوں تو ہر کوئی آتا رہا، جاتا رہا

صاحبانِ علم و عرفاں مصلحت کا ہیں شکار
حفظِ دیں کا اب دلوں سے حوصلہ جاتا رہا

آج وہ نغمے کہاں ہیں دل نواز و دلنشیں
بلبلیں سب اڑ گئی ہیں چہچہا جاتا رہا

مسندِ ارشاد پر کتنے ہی فائز اب بھی ہیں
شیخ سرہندی کا لیکن ولولہ جاتا رہا

کامیاب اپنے مشن میں ہو گئے تخریب کار
وائے اک اک نائب احمد رضا جاتا رہا

یا الٰہی کلکِ اختر کو بنا کلکِ رضا
دشمنانِ دیں نہ یہ سمجھیں رضا جاتا رہا

غالباً ۱۹۷۳ء کی بات ہے کہ مکتبہ نبویہ لاہور والے، امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ جزاہ اللہ عدوہ شائع کروانے والے تھے۔ کتابت کروالی تھی ایک روز صاحبزادہ اقبال احمد صاحب فاروقی نے اختر صاحب سے فرمایا کہ اس رسالے کا دیباچہ دو تین جید علمائے کرام لکھ رہے ہیں آپ بھی اس کا دیباچہ لکھ دیں۔ تاکہ جس کا دیباچہ زیادہ بہتر ہو اسے ساتھ لگا دیا جائے۔ چونکہ اس کی تہہ میں اور ہی جذبہ کار فرما ہوتا ہے لہٰذا اختر صاحب نے جواب دیا کہ جناب اگر میرے دیباچے کو ضمنی طور پر شامل اشاعت کرنے کا وعدہ کیا جائے اور بغیر کسی تبدیلی کے تو میں لکھنے کے لیے تیار ہوں فاروقی صاحب ایسا

وعدہ کرنے کے حق میں نہ تھے لہذا بات اسی مرحلے پر ختم ہو گئی۔

چند روز کے بعد فاروقی صاحب دکان پر بیٹھے ہوئے اسی رسالے کی پروف ریڈنگ کر رہے تھے۔ کہ ایک وہابی مولوی صاحب تشریف لے آئے پوچھا

"کون سی کتاب کی تیاری ہو رہی ہے؟"

فاروقی صاحب نے کتاب کا نام بتایا تو مولوی صاحب کہنے لگے:۔

"فاروقی صاحب! اب تو مان لیجیے کہ آپ کے اعلیٰ حضرت انگریز کے ایجنٹ تھے۔ اس رسالے میں فلاں فلاں کو تو بساط بھر خوب رگڑا ہے لیکن اپنے پیر بھائی مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔"

چند روز کے بعد دورانِ ملاقات موصوف نے یہ واقعہ اختر صاحب کو بتایا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر میں نے مولوی صاحب کو ٹرخا تو دیا لیکن میرے پاس اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہ تھا۔ اختر صاحب نے فرمایا کہ حکم ہو تو دیباچے میں اس اعتراض اور دیگر کتنے ہی اعتراضات کا جواب ہو جائے گا۔ دیباچے کی بات اس مرحلے پہ بھی فاروقی صاحب نے منظور نہ فرمائی اور دیباچے کے بغیر رسالہ چھپ گیا۔

کتاب چھپ جانے کے قریباً ایک ماہ بعد کی بات ہے کہ دس بارہ علمائے کرام مکتبہ حامدیہ، لاہور میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں فاروقی صاحب اور مفتی اعجاز ولی خان رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے کہ اختر صاحب بھی اچانک آ پہنچے۔ دورانِ گفتگو فاروقی صاحب نے اختر صاحب سے کہا کہ جناب وہ کتاب چھپ گئی ہے لہذا اب تو بتا دیجیے کہ اعلیٰ حضرت نے اس کتاب میں مرزا صاحب کے متعلق کیوں ایک لفظ بھی نہیں کہا؟ اختر صاحب نے جواب دیا کہ قبلہ مفتی صاحب یہاں موجود ہیں۔ ان سے بہتر اور کون بتا سکے گا؟ چنانچہ سب مفتی صاحب کی جانب متوجہ ہو گئے۔ تو قبلہ مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا بات یہ ہے کہ

دورانِ تصنیف سرکار اعلیٰ حضرت نے جس جس کی جانب توجہ مبذول فرمائی، اسے رگڑتے چلے گئے۔ قادیانی دجّال کی جانب توجہ مبذول نہ فرمائی ہوگی اس لیے اس ملعون کے متعلق کچھ ارشاد نہ فرمایا۔

فاروقی صاحب بے باک قسم کے انسان واقع ہوئے ہیں۔ لہٰذا فوراً کہا کہ حضرت اس جواب سے تو اعتراض اور بھی مستحکم ہوتا ہے۔ آخر سب نے اختر صاحب کو جواب کے لیے مجبور کیا تو فرمایا:۔

"دوستو! بات یہ ہے کہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ ۱۲۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں لکھا اور مرزائے قادیان نے نبوت کا دعویٰ دو۲ سال بعد ۱۲۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں کیا۔ دریں حالات دو سال پہلے اعلیٰ حضرت اس کے خلاف کیا لکھتے؟"

جواب حقیقت پر مبنی اور لاجواب تھا لہٰذا سب نے محسوس کیا کہ فاضل بریلوی کے معاملے میں آج اختر شاہجہان پوری سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اس مکتبے میں آٹھ دس علمائے کرام بیٹھے مصروف گفتگو تھے جن کے درمیان اختر شاہجہان پوری بھی موجود تھے ایک مولوی نے فرمایا کہ یارو! پہلے داتا دربار پر حاضری دینی چاہیے۔ اور سلام عرض کرنے کے بعد پھر یہاں آکر باتیں کریں گے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن اختر صاحب بیٹھے رہے۔ پوچھا گیا کہ حضرت آپ نہیں چلتے تو جواب نفی میں تھا۔ اصرار پر بھی نفی میں ہی جواب دیتے رہے۔ تو سب کو حیرانی ہوئی وضاحت طلب کی تو گول مول لفظوں سے ٹرخاتے رہے۔ زیادہ اصرار دیکھا تو فرمایا:۔

"مولانا! کہیں چور بھی عدالت میں خود پیش ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش کی کمائی دن دہاڑے ہماری آنکھوں کے سامنے لٹ رہی ہے اور ہم

اپنے فرض سے غافل ہیں، داتا صاحب ہم سے راضی نہیں بلکہ ناراض ہوں گے اور حاضری کے وقت اگر ہمارے سر پر جوتے کھڑکانے لگے تو کیا بنے گا؟ آپ نے اگر اپنا فرض ادا کیا ہے تو جائیں لیکن یہ چور اس اتنے بڑے حاکم کی بارگاہ میں جانے کے قابل نہیں ہے۔"

مولوی صاحبان یہ جواب سن کر حاضری دینے چلے گئے۔ اور اختر شاہ جہانپوری اسی طرح اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔

یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس جواب سے مولوی صاحبان کو اپنا فرض ادا کرنے کا احساس ہوا یا نہ ہوا لیکن ہمیں اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ بزرگوں کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے ہمارے لیے یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ ہم نے کہاں تک اپنے فرض کو ادا کیا ہے۔ بساط بھر اپنا فرض ادا کرتے ہوئے بزرگوں کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو وہ حضرات اسی محبت سے پیش آئیں گے جیسے والدین اپنے بچے کو گود میں اٹھا لیتے ہیں اور ہماری کارکردگی اگر ان کے لیے اذیت کا باعث بن رہی ہو گی تو خالی حاضری اور سلام کرنا کبھی بھی ان دکھوں کا مداوا نہیں کر سکے گا جنھیں اپنی نا اہلی، تن آسانی، فرض سے اغماض اور دنیاوی آرام و راحت کے باعث اپنا مقدر بنا لیا ہو گا۔ ۱۹۷۰ء میں "مرکزی مجلس رضا، لاہور" نے "فتاویٰ رضویہ" جلد پنجم کو شائع کروانے کا ارادہ کیا اور کتابت کروالی۔ اعلیٰ حضرت کی فقاہت پر مفتی شجاعت قادری کے مضمون کو اس کا دیباچہ بنایا گیا۔ بعد ازاں وہ کتابت مکتبہ نبویہ لاہور کو دے دی گئی۔ اس کی تصحیح کا فریضہ اختر شاہ جہان پوری نے انجام دیا تھا۔ مفتی صاحب کے مضمون میں عبارتیں قابل اعتراض تھیں۔ جن پر فیض رضا فیصل آباد نے متنبہ کیا۔ اختر صاحب کے علم میں یہ بات آئی تو فیض رضا والوں کے لیے ایک طویل خط برائے اشاعت لکھا جو دسمبر ۱۹۷۲ء کے پرچے میں صفحہ ۱۸، ۱۹ پر شائع ہوا۔ مذکورہ خط کے چند فقرے ملاحظہ ہوں۔

"چونکہ علمائے اہل سنت کا بورڈ مضامین کو ملاحظہ فرما چکا تھا اور ساتھ ہی زیر بحث مضمون کو امتیازی حیثیت کا حامل قرار دیا گیا تھا۔ علاوہ بریں مضمون نگار صاحب خود ایک جید عالم اور مفتی ہیں۔ ان وجوہات کے تحت اس ناچیز کے قلب میں اس امر کا خطرہ تک نہ گذرا کہ مضمون میں بھی کوئی بات خلاف مسلک ہو سکتی ہے۔ بایں وجہ مطمئن ہو کر صرف صحت کتابت ہی کی طرف توجہ مبذول رکھی اور تنقیدی نظر سے تو آج تک بھی اس مضمون کو نہیں دیکھا تھا۔ ماہ حال کے فیض رضا نے بفیض رضا آنکھیں کھول دیں جن عبارتوں پر گرفت کی گئی ہے۔ راقم الحروف نے بھی مطابقت کرنے اور سیاق وسباق کو بغور دیکھنے، ہر امکانی پہلو کو بغور جانچنے کے بعد انھیں قابل اعتراض اور خلاف مسلک ہی پایا ہے"

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس ناچیز کے ذمے اگرچہ صحت کتابت تھی اس کے باوجود عند اللہ اگر کسی بھی طرح کی ادنیٰ سے ادنیٰ ذمہ داری احقر پہ عائد ہوتی ہے۔ جس میں حسن ظن یا کسی اور وجہ سے احقر سے کوتاہی واقع ہوئی ہے۔ تو میری اس غلطی کو باری تعالیٰ شانہ معاف فرمائے آمین! اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ مفتی شجاعت علی صاحب کی ان تحریر کردہ عبارتوں سے احقر قطعاً متفق نہیں ہے اور انھیں رضویت کی غلط تصویر اور خلاف حقیقت سمجھتا ہوں کاش ان عبارتوں کو تبدیل کیا جا سکے اور یہ کسی بھی مرحلے پر وقار کا مسئلہ نہ بننے پائیں۔

مفتی شجاعت علی صاحب بھی ان عبارتوں کے بارے میں ضرور وضاحت فرمائیں۔ اور احقر کا ناقص سا مشورہ تو یہ ہے کہ انھیں بے جا تاویلات کے چکر سے بچ کر صاف طور پر ان کی اصلاح وتصحیح کی طرف گامزن ہونا چاہیے۔ غلطی پر اصرار کرنے اور اسے دور از کار

تاویلوں کے سہارے درست منوانے کا راستہ بڑا پُرخطر ہے جس میں مزید کتنی ہی غلطیوں کا سہارا لینا پڑ جاتا ہے اور یہ روش اہلِ علم حضرات کی شان کے ہرگز ہرگز شایان نہیں اور نہ ہمیں یہ توقع کہ مفتی صاحب جیسے دانش مند حضرات ایسے راستے پر گامزن ہونے کا خیال تک بھی دل میں لائیں گے۔

مکتبہ نبویہ لاہور کے اگر مولانا باغ علی نسیم اور علّامہ اقبال احمد فاروقی جراءت رندانہ سے کام لے کر ان خلافِ مسلک عبادتوں کو تبدیل کروانے یا کم از کم ہر نسخے کے ساتھ ایک وضاحتی چٹ لگانے کا اعلان فرمادیں تو اس گئے گذرے زمانے میں بھی رضویت کو اپنی متاعِ عزیز سمجھنے والوں پر ان صاحبان کا یہ عظیم احسان ہوگا۔"

اہل اللہ کا یہی شعار ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں پر اصرار نہیں کرتے اور انھیں درست منوانے کی غرض سے وہ کبھی بھی بے جا تاویلات کے چکر میں نہیں پڑتے۔ تاویلات کے چکر میں انانیت کا مسئلہ پھنساتا ہے۔ جبکہ وہ حضرات انا کو ختم کر چکے ہوتے ہیں۔ موجودہ علمائے دیوبند اگر چاہیں تو اختر صاحب کی اس روش سے سبق کر کے اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں پر آج بھی نظر ثانی کر کے مسلمانوں کو ایک بہت بڑے اندرونی خلفشار سے نجات دلا سکتے ہیں۔ اس موقعہ پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔

غالباً جولائی ۱۹۷۵ء کا واقعہ ہے کہ دوپہر کے وقت پانچ سات مولوی صاحبان "مکتبہ حامدیہ لاہور" میں بیٹھے مصروفِ گفتگو تھے کہ دس بارہ میل سے سائیکل چلاتے ہوئے عین ساڑھے بارہ بجے اختر شاہجہان پوری بھی آ پہنچے۔ اتنی شدت کی گرمی میں، عین دوپہر کے وقت اتنی دور سے سائیکل چلا کر آنا، اعلائے کلمۃ الحق کا وہ جنون تھا جس نے سب کو بے حد متاثر کیا۔ ابھی اختر صاحب کا پسینہ بھی نہیں سوکھا تھا کہ مولانا شبیر احمد ہاشمی مدظلہ العالی نے حاضرین سے فرمایا:۔

"حضرات علمائے کرام! میں بارگاہ خداوندی میں آج خصوصی دعا کرنا چاہتا

ہوں اور متوقع ہوں کہ آپ تمام حضرات میری دعا پر آمین کہیں گے۔
حاضرین نے وعدہ کیا اور سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ مولانا ہاشمی
صاحب عرض گذار ہوئے:

"یاالٰہی ہم جملہ حاضرین برضا و رغبت تیرے حضور میں یہ التجا پیش کرتے
ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کی اجتماعی جتنی عمر باقی ہے۔ وہ ہمارے بھائی
مولانا اختر شاہ جہان پوری کو عطا فرمادی جائے۔ تاکہ وہ دینِ متین کی
خدمت کے کام تو آجائے۔"

ایک کے سوا تمام حاضرین نے اس پر آمین کہی۔ کیونکہ اندرونِ خانہ وہ اختر صاحب
کو اپنی شہرت کے لیے خطرے کا الارم سمجھتے تھے۔ ہاشمی صاحب نے ان سے آمین نہ کہنے
کی وجہ پوچھی تو ہنستے ہوئے فرمایا کہ حضور والا! اگر ہماری سب کی عمریں انھیں مل جائیں
تو ان کے کاموں کو دیکھے گا کون؟ دیکھنے کے لیے کم از کم ایک آدمی تو زندہ رہنا چاہیے۔
چند ماہ ہوئے کہ اختر صاحب کے ایک دوست حاجی فیروزالدین صاحب نے
ان سے کہا کہ حضور والا! آپ کو دینی کاموں کی غرض سے اتنی بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے
لہٰذا اسکوٹر خرید لینا چاہیے۔ اگر مجبوری ہے تو کم از کم نئی سائیکل خرید لیجیے اور اس پرانی
سائیکل کا دارالعلوم دیوبند کی طرح صد سالہ جشن، منا کر بیچاری کو چھٹی دے دیجیے۔ فرمایا کہ
حاجی صاحب! اس سائیکل کے برابر موجودہ بزرگوں میں سے اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر
شاید ہی کسی بزرگ نے پیدل سفر کیا ہو۔ اس بیچاری نے گرمی، سردی، رات دن، صبح و
شام، اندھیرے اجالے، وقت بے وقت آندھی اور بارش جیسے مواقع پر بھی میرا ساتھ
نہیں چھوڑا۔ دینی کاموں میں مجھے اتنی مدد دی کہ شاید کسی سے نہ بن پڑی ہو۔ اگر یہ
انسان ہوتی تو شاید بزرگی سے کچھ نہ کچھ حصہ پالیتی۔ ایسی خوش نصیب، بابرکت
اور دینی کاموں میں انتھک ساتھ دینے والی چیز کو میں ناقدروں کے سپرد کردوں؟

حاجی صاحب! اسے اپنی آنکھ سے نہیں بلکہ میری آنکھوں سے دیکھنا چاہیے۔

اختر صاحب کا یہ مقالہ "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" پہلی دفعہ ۱۹۷۱ء میں "مرکزی مجلسِ رضا" لاہور کے زیرِ اہتمام منظرِ عام پر آیا۔

اسی سال ماہنامہ "حنفی" فیصل آباد نے اسے تین قسطوں میں پیش کیا تھا۔

ماہنامہ المیزان بمبئی کے اعلیٰ حضرت نمبر میں پورا نقل کیا گیا اور شرکتِ حنفیہ لاہور والوں نے اسے انوارِ رضا میں پورے کا پورا شامل کیا۔

اب ۱۹۸۴ء میں "فرید بک سٹال" اردو بازار لاہور سے دوسری دفعہ آفسٹ پر شائع ہونے لگا ہے۔

شاہجہان پوری صاحب قریباً چار سال یعنی ستمبر ۱۹۸۰ء سے "فرید بک سٹال لاہور کے ساتھ منسلک ہیں اور کتبِ احادیث کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں ۱۲ فروری ۱۹۸۱ء سے مختلف امراض کے باعث اگرچہ نڈھال ہیں۔ لیکن گرتے پڑتے مردانہ وار کام کر رہے ہیں۔

ان کے اردو ترجموں سے مزین ہو کر صحیح بخاری، سنن ابنِ ماجہ اور موطا امام مالک منظرِ عام پر آچکیں۔ جبکہ سنن ابوداؤد ترجمہ و حواشی کے ساتھ منظرِ عام پر آنے کے لیے پر تول رہی ہے۔ الحمد للہ کہ یہ بھی بڑا کام ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ ان کی معرفت حدیث کی اور کئی کتابوں کے اردو ترجمے اہلِ علم حضرات کو میسر آسکیں گے۔ اور علمائے اہلِ سنت پر تساہل کا جو دھبہ لگا ہوا تھا وہ کافی حد تک مٹ جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قدرت نے جہاں اختر صاحب کو بے پناہ قلمی صلاحیتوں سے نوازا ہے وہاں سیّد اعجاز احمد شاہ صاحب کو بھی خدائے ذوالمنن نے اشاعتی وسائل سے مالامال کیا

ہوا ہے۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کی ضرورت تھے۔ جسے وہ خود بھی محسوس کرتے ہوں گے۔ لہٰذا اب بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے کہ اختر صاحب کی جو درجنوں تصانیف زیورِ طباعت سے محروم ہیں وہ انشاء اللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں شاہ صاحب کی معرفت منظرِ عام پر آجائیں گی۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

فقیر محمد شعبان نقشبندی عفا اللہ عنہ
لاھور چھاؤنی

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ
مطابق ۲۱ جون ۱۹۸۴ء
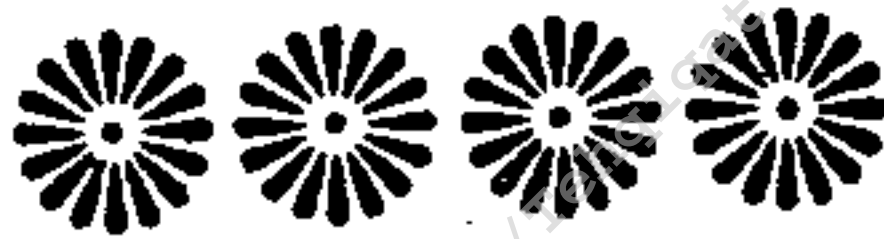
اعلیحضرت کا فقہی مقام

فقیہ اعظم ہندوستاں احمد رضا تم ہو
تمام فقہ میں عرش آستاں احمد رضا تم ہو

تمہید

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات!
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

ذیل میں دنیائے اسلام کے بطلِ جلیل، چودھویں صدی کے مجدد، فقیہ اعظم یعنی اعلیحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے "فقہی مقام" پر کچھ عرض کرنا ہے کیونکہ آپ سچی توحید و رسالت کے حقیقی علمبردار اور اسلام کی صحیح ترین تصویر یعنی مقدس حنفیت کے سرگرم مبلغ و بے باک ترجمان تھے۔

خامۂ قدرت نے آپ کو زبانِ خواص سے اعلیحضرت، امام اہلِ سنت اور مجدد مائۃ حاضرہ کے جلیل القدر القابات سے یاد کرایا۔ آپ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام "محمد" اور تاریخی نام "المختار" ۱۲۷۲ھ ہے۔ جدامجد مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ آپ کو "احمد رضا خاں" کہتے لیکن خود فاضل بریلوی قدس سرہٗ بڑے فخریہ انداز میں اپنے کو "عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں" لکھا کرتے تھے۔

محافظ تھا جو ناموسِ رسالت کا زمانے میں
جسے یہ فخر تھا کہ "ہوں میں عبدالمصطفیٰ" تم ہو

اعلیحضرت نے خود اپنی تاریخ ولادت آیتِ ذیل سے نکالی: اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو فارغ التحصیل ہو کر منصبِ افتاء پر متمکن ہوئے، حالانکہ عمر اس وقت صرف تیرہ سال دس ماہ تھی اور اسی وقت

سے آخری دم تک متواتر چون ۵۴ سال، اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر تن، من، دھن کی بازی لگائے رکھی
وصال سے چار ماہ دس روز پیشتر خود اپنی تاریخ وفات اس آیہ کریمہ سے نکال لی:۔
وَیُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَکْوَابٍ" مگر افسوس کہ سنیوں نے اپنے اس محسن کے علمی کارناموں کو نہ کماحقہٗ محفوظ کیا اور نہ دنیا والوں کو اس نابغۂ عصر کی علمی عظمت سے آشنا کرانے کی زحمت ہی گوارا کی۔ دوسری طرف مخالفین نے اس آسمان علم و عرفان کی طرف دھول اڑانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مذکورہ حقائق کے باوجود اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کا نام ان کے عظیم علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آپ نے مقدس شجر اسلام میں غیر اسلامی نظریات کی پیوند کاری کرنے والوں سے قلمی جہاد کیا نیز علمائے حق و علمائے سوء میں پہچان کرائی اور ایسے "مصلحین" کے تعاقب میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے جنہوں نے نئے نئے فرقے بنا کر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور جو بات بات پر سیدھے اور پکے مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی وغیرہ ٹھہراتے رہتے تھے آپ نے براہین قاطعہ سے ان کے سارے مزعومہ دلائل کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔
خالق کائنات جل جلالہٗ کی صفات کو جب علماء نے اپنے غلط عقلی پیمانوں سے ماپنا شروع کر دیا اور سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات عالیہ کی حدود ایسی متعین کرنے لگے جن کی ایک امتی کہلانے والا ہرگز جسارت نہیں کر سکتا تو اعلیٰحضرت نے عظمت خداوندی اور شان مصطفوی کا علم بلند کیا اور کسر شان کرنے والوں کے دلائل فاسدہ و خیالات کاسدہ کا عمر بھر رد بلیغ کرتے رہے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی "جرم" ہے جس کی پاداش میں وہ آج تک بعض حلقوں میں سب و شتم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔
آپ بزرگوں کے اس درجہ مودب تھے کہ چھ سال کی عمر میں بغداد شریف کی سمت،

معلوم ہونے پر، پھر کبھی اس طرف پاؤں نہیں پھیلائے کسی بزرگ کا نام مناسب القاب اور دعائیہ کلمات کے بغیر کبھی نہ لکھا۔ آپ نے اللہ تعالےٰ کو "اللہ میاں" کہنا غلط بتایا اور سمجھایا کہ درود شریف کا (صلعم۔ ص۔ عم) وغیرہ اشارات سے اختصار کرنا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کے خلاف فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ کے قبیل سے ہونے کی بنا پر دلیلِ محرومی ہے۔

آپ کے نزدیک صحابۂ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے رضؓ اور دیگر بزرگوں کے ناموں پر رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ رح لکھنا ناپسندیدہ تھا کیونکہ یہ بدعتِ قبیحہ اور بزرگوں کی شان گھٹانے والوں کی ایجاد ہے۔

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے چار سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ پڑھ لیا، چھ سال کی عمر میں میلاد شریف پڑھا، آٹھ سال کے ہوئے تو "ہدایۃ النحو" کی عربی میں شرح لکھ دی اور تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں اپنے والد ماجد، امام المتکلمین، مولانا نقی علی خاں (المتوفی ۱۲۹۷ھ) رحمۃ اللہ علیہ کی مسندِ افتا کو زینت بخشی۔ اس نابغۂ عصر اور عارفِ کامل نے ۱۲۹۴ھ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت سید آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت کی اور ساتھ ہی اجازت و خلافت اور خرقہ سے سرفراز ہوگئے۔

۱۲۹۵ھ میں والدین رحمہا اللہ تعالےٰ کے ہمراہ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کیا اور دوسری بار ۱۳۲۳ھ میں مشرف ہوئے۔ حسام الحرمین، الدولۃ المکیہ اور کفل الفقیہ الفاہم جیسی مایہ ناز تصانیف اسی مقدس مرقع کی مبارک یادگاریں ہیں۔ ۱۲۹۵ھ میں شافعیہ کے امام مولانا حسین بن صالح جمل اللیل مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰحضرت کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اِنِّیْ لَاَجِدُ نُوْرَ اللّٰہِ فِیْ ھٰذَا الْجَبِیْنِ پھر انہوں نے صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی سندیں اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر

عنایت فرمائیں اور آپ کو ضیاء الدین احمدؒ کے نام سے موسوم کیا۔

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے میں
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

مرشدِ برحق، حضرت آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ بروز حشر اگر باری تعالیٰ پوچھے گا کہ اے آلِ رسول! دنیا سے میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو عرض کروں گا کہ اے پروردگار! میں تیرے لیے احمد رضا لایا ہوں۔" اعلیٰحضرت نے پچاس علوم و فنون پر مشتمل ایک ہزار کے لگ بھگ کتابیں لکھیں جن میں سے بعض علوم تو ایسے ہیں کہ آج کل کے نابغۂ عصر اور مجدد و محقق بننے والے اُن کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔

آپ چونکہ سچے عاشقِ رسول تھے اسی لیے مسلمانوں کو عشقِ رسول کے جام پلاتے رہے کیونکہ یہی جانِ اسلام و روحِ ایمان ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: "اگر میرے دل کو چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دو تو ایک پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا پاؤ گے۔ اپنی زندگی کی تصویر خود قطعۂ ذیل میں یوں کھینچ دی تھی:

نہ مرا نوش ز تحسین، نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے، نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولے کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

اگر آپ فرقِ باطلہ کے علمبرداروں کو نہ ٹوکتے، مقدس اسلام کے مخصوص عقائد و نظریات کی من مانی تعبیریں کرنے والوں کا محاسبہ نہ کرتے تو تمام فرقوں کے نامور علما اس عبقری اسلام کی علمی عظمت کو برملا تسلیم کرتے لیکن کسی بھی مجدد کو ایسی جھوٹی عزت کی کبھی خواہش نہیں ہوئی، چونکہ آپ بھی عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کے سچے نگہبان تھے اسی لیے طعن و تشنیع اور تحسین و آفرین سے بے نیاز ہو کر ہر حالت میں اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

کسی زندہ قوم میں اس مرتبے کا کوئی عالم پیدا ہوجاتا تو وہ قوم اس کے علوم وفنون سے نہ صرف خود مستفید ہوتی بلکہ تمام دنیا کو اس کے افکار ونظریات پڑھنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیتی۔ علمائے اہلِ سنت کی بے حسی کا کون اندازہ کر سکتا ہے جبکہ اس یگانہ روزگار و نابغہ عصر کے اکثر علمی شاہکار زیورِ طبع سے محروم اور زینتِ طاقِ نسیان بنے ہوئے ہیں۔

آئندہ سطور میں دورِ حاضر کے فقیہ اعظم یعنی امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کے "مقام فقہ" کے متعلق "مرکزی مجلسِ رضا" کی دعوت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ میں صرف ازراہِ عقیدت یہ جراءت کر رہا ہوں ورنہ میرا یہ منصب نہیں اور نہ اتنی قابلیت کہ ایسی باکمال ہستی کا کمال فقہ دانی بیان کر سکوں اس ضمن میں مجھے ہیچ دانی اور علمی بے بضاعتی کا اعتراف ہے۔

یہ زندہ حقیقت ہے کہ جملہ مدعیان اسلام میں اہلسنت وجماعت ہی ناجی گروہ اور سوادِ اعظم ہیں۔ قرآن وحدیث اور ان سے متعلقہ سارا علمی وقلمی سرمایہ ملت اہلسنت وجماعت کا ہے اگر ان حضرات کے علمی کارناموں کو ایک طرف رکھ کر دیکھا جائے تو باقی تمام فرقوں میں سے کسی کے پلے کوئی قابلِ ذکر چیز باقی نہیں رہتی آج بھی تمام مدعیانِ اسلام میں اہلسنت وجماعت کہلانے والوں کی تعداد تقریباً تین چوتھائی ہوگی۔ اور قریباً ہر دور میں یہی حالت رہی ہے۔ اس زندہ حقیقت کے باوجود بھی کیا اہلسنت وجماعت کے سوادِ اعظم ہونے کے لیے کوئی اور ثبوت درکار ہے؟

فقہی لحاظ سے اہلسنت وجماعت کے چار مذہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں چاروں مذاہب برحق ہیں کیونکہ چاروں آئمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث کے فرمودات کو خوب سمجھا، دوسروں سے بہتر سمجھا اور مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ چاروں سے منہ موڑ کر اپنی تحقیق کی گاڑی چلانے والا ہرگز ہرگز صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں ہوسکتا۔ ان چاروں میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء) کو بالاتفاق تمام آئمہ وفقہا نے

امام اعظم تسلیم کیا ہے سرمایہ ملت کے ایک عظیم الشان محافظ یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) حضرت امام اعظم کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

از علوشان امام بزرگ ترین بزرگواران امام اجل، پیشوائے اکمل، ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہ نویسد کہ اعلم و اورع و اتقائے مجتہدین است، چہ شافعی و مالک وچہ احمد بن حنبل، امام شافعی می فرماید الفقہاء کلھم عیال ابی حنیفۃ [1]	بزرگوں کے اس بزرگ ترین امام یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کیا لکھا جائے جب کہ وہ امام اجل اور پیشوائے اکمل تھے نیز علم ورع اور تقویٰ میں تمام مجتہدین سے بڑھ کر تھے خواہ امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل ہی ہوں امام شافعی فرماتے ہیں کہ فقہ میں تمام فقہاء امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں۔

❊ ❊ ❊ ❊

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دقت نظر و بلند پروازی تک رسائی نہ ہونے کے باعث بعض لوگوں نے ان پر اعتراضات کیے اور کئی محدثین حضرات نے انھیں اصحاب الرائے کے نام سے یاد کیا۔ حالانکہ امام اعظم کے ہاں ایک بات بھی ایسی نہیں جو قابل اعتراض ہو۔ اس صورتِ حال پر افسوس کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقت نفس الامری کا یوں اظہار فرمایا ہے۔

دلائے ہزار دولائے از تعصب ہائے بارد ایشاں واز نظر ہائے فاسد ایشاں بانی فقہ ابوحنیفہ است	حاسدوں کے بے جا تعصب اور ان کی غلط بین نظروں پر افسوس، ہزار افسوس فقہ کے بانی امام ابوحنیفہ ہیں اور فقہ سے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مبدا و معاد، مطبوعہ کراچی، ص ۵۵

وسہ حصہ از فقہ او را مسلم داشتہ اند و در ربع باقی ہمہ شرکت دارند در فقہ صاحب خانہ اوست و دیگران ہمہ عیال دے اند. باوجود التزام ایں مذہب مرا با امام شافعی گویا محبت ذاتی است و بزرگ میدانم لہذا در بعضے اعمال نافلہ تقلید مذہب او می نمایم اما چہ کنم کہ دیگراں را باوجود دفور علم و کمال تقوای درجنب امام ابی حنیفہ در رنگ طفلاں می یابم [1]

تین حصّے ان کے لیے مسلّم ہیں جبکہ باقی ایک چوتھائی میں سارے شریک ہیں فقہ میں صاحب خانہ وہی ہیں۔ اور باقی سارے ان کے ہی بال بچے ہیں اس مذہب حنفی کی پابندی کرنے کے باوجود مجھے امام شافعی سے گویا ذاتی محبت ہے اور بعض نفلی کاموں میں ان کی تقلید بھی کر لیا کرتا ہوں لیکن کروں کیا کہ دیگر مجتہدین کو وافر علم اور کمال تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ کے سامنے بچوں کی شکل میں دیکھتا ہوں۔

یوں تو چاروں فقہی مذاہب حق وصداقت پر مبنی اور صراط مستقیم ہیں لیکن قرآن و حدیث کے حقیقی مفہوم ومعانی سے مذہب حنفی کو زیادہ قرب حاصل ہے اور یہ مذہب اپنے اصول و فروع میں دیگر مذاہب سے ممتاز ہے۔ کشور کشف و روحانیت کے فرماں روا راز ہائے سربستہ کے آشنا، حق وصداقت کے علمبردار رہنما یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے کشف کے ذریعے اس زندہ دینی وعلمی حقیقت یعنی مذہب حنفی کی انفرادیت کے بارے میں اپنے شہزادگان یعنی خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء) اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے انھیں یہ بھی بتایا اور اس حقیقت کے چہرے سے یوں پردہ ہٹایا:۔

---

[1] احمد سرہندی۔ مجدد الف ثانی، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ میشود کہ نورانیت ایں مذہبِ حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم می نماید وسائر مذاہب در رنگ حیاض وجداول بنظری در آیند وبظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان وایں مذہب باوجود کثرت متابعان در اصول وفروع از سائر مذاہب متمیز است ودر استنباط طریق علیحدہ دارد وایں معنی مبنی از حقیقت است [1]

تکلف وتعصب سے ہٹ کر کہا جا سکتا ہے کہ کشفی نظر سے دیکھیے تو اس مذہبِ حنفی کی نورانیت دریائے عظیم کی صورت میں دکھائی دیتی ہے جبکہ دیگر تمام مذاہب حوضوں اور تالابوں کی شکل میں نظر آتے ہیں ظاہری نظر سے دیکھیں تب بھی یہی صورتِ حال سامنے نظر آتی ہے کہ اہلِ اسلام کا سوادِ اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں اور یہ مذہب پیروکاروں کی کثرت کے علاوہ اصول وفروع میں دیگر مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے اور استنباط کا طریقہ ہی جدا رکھتا ہے۔ اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔

مذہبِ حنفی کی اس انفرادیت وخصوصیت ہی کا کرشمہ ہے کہ اس کے پیروکار ہر دور میں جملہ مدعیان اسلام کا تقریباً دو تہائی حصہ رہے ہیں اور آج بھی جبکہ دنیا کے اندر مدعیان اسلام کی تعداد اسی کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ تو حنفی مذہب کی پیروی کرنے والے پچاس کروڑ سے زیادہ ہی ہوں گے۔ جو افغانستان، پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش، ایران، عراق، ترکی، سعودی عرب، اردن، شام، چین، روس اور دنیا کے تقریباً ہر ملک میں

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

پھیلے ہوئے ہیں۔ فقہ حنفی کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ مختلف ادوار کے اندر اسے دنیا کے کئی ممالک میں ملکی قانون ہونے کی حیثیت بھی حاصل رہی ہے۔

فقہائے احناف کے علمی کارنامے سرمایہ ملت کا ایک معتد بہ حصہ ہیں۔ ماضی قریب میں احناف کے مایہ ناز فقیہ علامہ سید محمد امین بن عمر عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۶ء) میدان فقاہت کے ایسے شہسوار ہوئے ہیں کہ گذشتہ دور میں انکی نظیر نظر نہیں آتی موصوف نے درمختار شرح تنویر الابصار کی رد المحتار کے نام سے شرح لکھی جو فقہ میں ان کی علمی وسعت وقتِ نظر اور بلند پروری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس کے باعث دنیا کی علمی ہستیوں نے علامہ شامی کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

گذشتہ صدی میں امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) نے ردالمحتار کی عربی میں پانچ ضخیم جلدوں کے اندر جدالممتار کے نام سے شرح لکھی جسے دیکھ کر کوئی انصاف پسند اور صاحبِ نظر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ امام احمد رضا واقعی فقہ میں علامہ شامی سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ امام احمد رضا کا اردو فتاویٰ بڑے سائز کی بارہ ضخیم جلدوں میں ہے بعض فتوے آپ نے اتنی وسیع النظری سے لکھے ہیں کہ امام احمد رضا پر مجتہد ہونے کا گمان گزرنے لگتا ہے۔

امام احمد رضا خان کو دو چار نہیں بلکہ پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں کمال مہارت حاصل تھی کئی علوم تو ایسے ہیں جن میں آپ درجہ امامت پر فائز تھے۔ کئی علوم وہ ہیں جو آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گئے۔ اور ان میں مہارت رکھنا تو دور کی بات ہے ان سے ادنیٰ سی واقفیت رکھنے والا بھی روئے زمین پر کوئی نظر نہیں آتا۔ ہر علم وفن میں آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں۔ جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا تو لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ وہ دادِ تحقیق دی کہ مایۂ ناز علمی ہستیاں بھی پھڑک اٹھیں۔ اور تازیست رضوی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتی رہیں۔

حق وصداقت سے عناد رکھنے والوں کے خلاف امام احمد رضا نے قلم اٹھایا تو کسی کے لیے ایک لفظ لکھنے اور اس موضوع پر زبان کھولنے کی گنجائش نہ چھوڑی۔ برٹش گورنمنٹ نے اپنے پرفتن دور میں حشرات الارض کی طرح لصوصِ دین پھیلائے جو بڑے خوشنما علمی روحانی لبادوں میں عوام الناس کے سامنے آئے تو امام احمد رضا نے ۱۲۸۶ھ سے ۱۳۴۰ھ تک متواتر چوّن سال ان کا محاسبہ جاری رکھا اور رہزنان دین و ایمان کے چہرے کی نقاب کو ایسے مجددانہ اور بے مثال انداز سے ہٹایا کہ ہر صاحبِ نظر کو ان کے بدنما چہرے صاف نظر آنے لگے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کو اس دنیا سے گئے ہوئے چونسٹھ سال ہوگئے لیکن علم و فضل کے تمام تر دعادی کے باوجود کسی مخالف سے ان کی کسی چھوٹی سے چھوٹی تصنیف کا جواب نہ ان کی زندگی میں بن پڑا اور نہ وصال کے بعد سے آج تک کسی کتاب کا جواب لکھا جاسکا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ٥

ہاں مخالفین نے یہ ضرور کیا ہے کہ امام احمد رضا کی زندگی میں اور ان کے وصال سے آج تک ان کے خلاف دل کھول کر لکھا۔ بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا وہ کون سا الزام تھا جو ان کے سر نہ دھرا وہ کون سا جرم تھا جو ان کے نام سے نہ جڑا وہ کون سی گمراہی تھی جس کی امام احمد رضا سے نسبت نہ کی۔ اسلام دشمنی اور ملت فروشی کا وہ کون سا کام تھا جس کا سہرا انھوں نے امام احمد رضا کے سر پر نہ باندھا ہو۔ فاضل بریلوی کی عداوت میں وہ لوگ ایسے اندھے بہرے ہوگئے کہ ظاہری دین و دیانت اور تہذیب و شرافت کے تمام تقاضے چھوڑ دیے۔ سب سے آنکھیں بند کر کے تقریباً ایک صدی سے عوام الناس کو یہ باور کرانے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ مولوی احمد رضا خاں اسلام و مسلمین کا بدخواہ اور ایک گمراہ انسان تھا۔ بغض و عناد کی اتنی گندی شراب پی بیٹھے ہیں کہ اس ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے۔ ان مہربانوں نے ہزاروں جھوٹوں کا سہارا لیا ہے ان جھوٹوں پر

مبنی ہزاروں کتب و رسائل پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پھیلا رکھے ہیں عداوت کی ایسی آگ لگی ہے کہ بجھنے میں نہیں آتی اور بجھے کیسے جبکہ حقانیت و صداقت انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتی

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

بہرحال مخالفین نے وہی کیا جو حق و صداقت سے عناد رکھنے والے ہر دور میں کرتے آئے ہیں لیکن حق و صداقت کے موجودہ علمبرداروں اور امام احمد رضا خان کو چودھویں صدی میں کشتیٔ ملت کا ناخدا اور سرمایہ ملت کا نگہبان جاننے اور ماننے والوں نے ان کی حمایت میں کتنا کام کیا؟ اس سوال کا جواب، اتنا افسوس ناک ہے کہ ہر صاحب نظر کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ کیا یہ حالات کی ستم ظریفی نہیں کہ آج سے پندرہ سولہ سال پہلے سرمایہ ملت کے اس نگہبان کی حمایت میں ہمارے موجودہ راہنماؤں کی جانب سے ایک بھی قابلِ ذکر کتاب منظرِ عام پر نہیں آئی تھی۔ مخالفین نے فاضل بریلوی کے خلاف ہزاروں صفحات پاک و ہند کے گوشے گوشے میں بکھیر دیے۔ الزامات کے انبار لگا دیے لیکن عقیدت مندوں نے حمایت میں خاموشی کس مصلحت کے تحت اختیار کیے رکھی؟ سچی بات یہ ہے کہ کم از کم اس ناچیز کو اس خاموشی اور خود فراموشی کا آج تک کوئی معقول جواب اور جواز نہیں مل سکا ہے۔

دریں حالات یہ گدائے در اولیاء اور علمائے کرام کا نعلین بردار جس نے چھ سال پہلے اپنے موجودہ علمائے کرام و مشائخ عظام کی خدمت میں تجلیات امام ربانی کے اندر چند گذارشات پیش کی تھیں آج پھر دست بستہ اور بڑے عاجزانہ اور ملتجیانہ لہجے میں ان سوالات کو دہراتا ہے تاکہ ہماری کشتی کے یہ جملہ ناخدا اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونے سے پہلے، وہاں بازپرس ہونے سے قبل حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا کے تحت اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ لیں۔ اپنی مساعی جمیلہ کا جائزہ لے سکیں، یہ اندازہ فرما سکیں کہ اس پُرفتن دور میں جبکہ گمراہی کے سیلاب چاروں طرف سے امڈ کر آئے ہوئے ہیں جو اسلامی اقدار کو بہا کر لے جا رہے ہیں تو ملتِ اسلامیہ کے موجودہ راہنماؤں، علمِ پیغمبر کے ان وارثوں اور سرمایہ ملت کے ان

نگہبانوں نے اسلام و مسلمین کی خیر خواہی میں ان سیلابوں کا رخ موڑنے اور ان کے آگے دیواریں کھڑی کرنے پر کس درجہ تن من دھن کی بازی لگائی ہوئی ہے ۔ ان حضرات میں سے ہر ایک اپنے کارناموں کا طول و عرض خود ملاحظہ فرمائے اور اطمینان قلب حاصل کرے کہ اب محشر کی باز پرس کا خطرہ نہیں ہے ۔

خدا شاہد ہے کہ اپنا مقصد کسی کی تنقیص و تضحیک نہیں بلکہ مدعا صرف یہی ہے کہ جو حضرات اپنے اندر کسی قسم کی کوتاہی محسوس کریں وہ اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں پیش ہو کر جواب دینے سے پہلے سرخ رو ہونے کا سامان فراہم کر سکیں ۔ ممکن ہے اس عصیاں شعار کے یہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ ان بزرگوں کی نظر سے گذریں اور وہ اپنی مساعیٔ جمیلہ کو تیز سے تیز تر کر دیں اور انفرادی کوششوں کے ساتھ شاید کوئی ایسا مردِ مجاہد اور مردِ حق آگاہ بھی کھڑا ہو جائے جو دین کی خدمت اور ملتِ اسلامیہ کی خیر خواہی و راہنمائی میں گوئے سبقت لے جائے اور ایسا اجتماعی نظام قائم کرے جس سے ہر میدان میں خاطر خواہ کام ہو سکے ۔ اس ناچیز کی یہی وہ دلی تمنا ہے جس نے موجودہ راہنماؤں سے یہ سوالات کرنے پر مجبور کیا ہے ۔

اے حضور والا ! ملک کے اندر حکمران اسی طرح ہوتا ہے جیسے جسم میں روح ۔ ملک و ملت کی اصلاح کا راز حکمرانوں کی اصلاح میں پوشیدہ ہے ۔ پاکستان کو قائم ہوئے خدا کے فضل و کرم سے سینتیس ۳۷ سال کا عرصہ گذر چکا ہے ۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی اس مملکتِ خداداد میں قائدِ اعظم سے قائدِ عوام تک کہلانے والے کتنے ہی حکمران آئے اور دنیا سے چلے گئے اس عرصہ میں آپ حضرات نے انھیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اسلام کا گرویدہ بنانے کی کس حد تک کوشش فرمائی اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوا تھا ۔

۲ ۔ سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ ہی آجکل حکومت کی مشینری کے پرزے بنتے ہیں ۔ ان پرزوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی خاطر آپ حضرات نے ان میں پڑھائے جانے والے نصاب کی کتابیں لکھ کر موجودہ کالجوں کو کہاں تک مشرف بہ اسلام کیا ہے ؟ اگر اس طرف توجہ ہی

نہیں فرمائی اور یہ سوچ کر چشم پوشی روا رکھی کہ غیر اسلامی ذہن رکھنے والے بھی اگر حکمران بنتے رہے اور وہ اسلامی اقدار کو مٹاتے رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ دریں حالات ازراہِ کرم اتنا ہی بتا دیا جائے کہ اس ملک کی فضاؤں کو پادریوں نے اسلامی بنانا ہے یا پنڈتوں نے؟

۳۔ آپ حضرات کی کتنی ایسی تصانیف ہیں جو اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے قلوب و اذہان کو جِلا بخش رہی ہیں؟ اگر ایسی کتابیں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تو ان اداروں میں تربیت پانے والے نونہالانِ چمن کی دینی موت میں آنجناب کا بھی کچھ حصہ ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ جب ان کا مقدمہ بارگاہِ الٰہیہ میں پیش ہو تو ان کے قاتلوں کی فہرست میں آپ حضرات میں سے کسی کا نام تو نہیں آئے گا؟

۴۔ سکولوں اور کالجوں میں آپ کے بچے بھی پڑھ رہے ہیں ان کے اندر گمراہ گروں کی لکھی ہوئی کتابیں بھی پڑھائی جا رہی ہیں۔ بعض دشمنانِ دین و ملت کو مایہ ناز بزرگ اور کشتیِ ملت کے ناخدا بتایا جاتا ہے۔ کتنے ہی بچے آپ کے دیکھتے ہوئے اس لٹریچر کے باعث ان نام نہاد بزرگوں کے معتقد ہو کر اصلی بزرگوں اور ان کے راستے سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔ اپنے بچوں کو یوں بے دردی سے گمراہی کے عمیق گڑھے میں دھکیلنے والوں کو جنت کا کون سا طبقہ ملے گا؟

۵۔ ذرائع ابلاغ سے تبلیغ کا کام برق رفتاری سے ہوتا ہے۔ آج کسی قوم کو بنانے اور بگاڑنے میں ذرائع ابلاغ اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ کیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو آپ حضرات کی نظر کیمیا اثر نے سچا مسلمان بنا لیا ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آپ کے دیکھتے ہوئے ایک فاسق و فاجر کا پارٹ ادا کر رہے ہوں؟

۶۔ کسی شہر میں ماہوار آپ کے کتنے جلسے ہوتے ہیں اور اسی شہر میں کتنے سینما شو دکھلائے جاتے ہیں؟ دونوں جانب حاضرین کا تناسب بھی مدنظر ہو گا قوم کی اس راہ روی اور ذہنی عیاشی کا یقیناً آپ نے کوئی علاج کرنے کی کوشش فرمائی ہو گی۔ کہیں نتیجہ برعکس تو برآمد

نہیں ہوا کیونکہ دیکھنے میں تو یہی آرہا ہے کہ دینی جلسوں کا نام ہی باقی رہ گیا ہے جبکہ سینماؤں کا جال پھیل چکا ہے بلکہ اب تو ٹیلی ویژن اور وی سی۔ آر کی بدولت بے شمار گھرانے خود ہی سینما گھر ہو چکے ہیں۔ اس صورتِ حال کی ذمہ داری کسی حد تک آپ پر بھی عائد ہوتی ہے یا نہیں ؟

۷۔ اخبارات قوم کے ترجمان ہوتے ہیں کیا پاکستان کے اخبارات واقعی ملت اسلامیہ کی ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں ؟ یہ حق و صداقت کے بیباک ترجمان بن کر اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کر رہے ہیں یا ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرنے اور "چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی" والی پالیسی پر عمل پیرا ہیں ؟ بھلا اس ستم ظریفی کو قبول فرما لینے یا خاموشی اختیار کرنے میں کون سی مصلحت اور دارین کی بھلائی نظر آئی ؟

۸۔ پورے ملک میں اہلِ سُنت وجماعت کے کتنے سہ روزہ، ہفت روزہ، پندرہ روزہ اور ماہوار رسالے ہیں جو کامیابی کے ساتھ چل رہے ہوں اور وہ عام مسلمانوں کو راہ حرم دکھا رہے ہوں ؟ اگر ایسا ایک پرچہ بھی نہیں تو اس کی ذمہ داری عوام الناس پر ڈالی جائیگی یا بلا شرکتِ غیرہ وارث علم پیمبر پر ؟

۹۔ اہلِ سنت کے جو دینی رسالے اس دور میں جو گھٹنوں چل رہے ہیں یا دم توڑ رہے ہیں ان کے ساتھ آپ نے دامے درمے، قدمے، سخنے کس حد تک تعاون فرمایا ہے ؟ اگر بالکل نہیں تو اس کی کوئی معقول وجہ ؟

۱۰۔ اہل سنت وجماعت کی دینی درسگاہیں کیوں سونی پڑتی جا رہی ہیں ؟ امید ہے کہ کامیاب مدرسین کی قلت کے اسباب پر آپ نے ضرور غور فرمایا ہوگا یقیناً آپ کے علم میں یہ بات بھی ہوگی کہ دیابنہ کی درسگاہیں کیوں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہیں۔ اپنے دینی مدارس کے تنزل میں غیروں کی سازش کارفرما ہے یا صرف آپ حضرات کی بے تدبیری ؟

۱۱۔ درس نظامی کی کتنی کتابوں کو شائع کروانے کا آپ حضرات کی جانب سے اہتمام ہوتا رہا ہے۔ اگر اس جانب متوجہ ہونے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی تو اس اغماض کی معقول اور قابل قبول وجہ کیا ہے؟

۱۲۔ درس نظامی کی کتنی کتابوں پر آپ کے حواشی اور شروح ہیں؟ اگر آپ کی درس گاہوں میں وہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن پر گمراہ گروں نے حواشی لکھے ہیں تو اس صورت حال کے نفسیاتی اثر کی ذمہ داری حواشی لکھنے والوں پر عائد ہو گی یا ساری کی ساری آپ حضرات پر؟

۱۳۔ پنجاب کے دل اور پاکستان کے لاہور جیسے عظیم شہر میں بیس سال پہلے نوری کتب خانے کے نام سے دینی کتابوں کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جہاں سے اہل سنت وجماعت کی بعض چھوٹی موٹی کتابیں مل جایا کرتی تھیں اور اس کے علاوہ اہل سنت وجماعت کا لاہور میں کوئی مکتبہ چراغ لے کر ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ جبکہ بدمذہبوں کے متعدد مکتبے بڑے ٹھاٹ باٹ سے چل رہے تھے۔ کیا آپ بزرگوں کے نزدیک اب تبلیغ دین کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ یا میدان میں گمراہ گروں کو دیکھ کر آپ حضرات نے راہ فرار اختیار کر لی تھی؟

۱۴۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ اسی لاہور جیسے تاریخی شہر میں اہلسنت وجماعت کے بیس پچیس مکتبے بڑے حوصلہ افزا طریقے سے مصروف عمل ہیں اور دین برحق کی نشر واشاعت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں ان مکتبوں کے قیام واجراء میں کس حد تک آپ کے جذبات کا دخل ہے اور ان کے ساتھ آپ بزرگوں کا تعاون کس نوعیت کا ہے؟

۱۵۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر، صحابہ کرام کی خصوصیات پر نیز دیگر بزرگان دین و اولیائے پاک وہند کے کارناموں پر مشتمل آپ حضرات کی کتنی ایسی تصانیف ہیں جو جدید تقاضوں کو پورا کرنے والی ہیں جنھیں بے خوف وخطر ایسے عنوانات پر

لکھی ہوئی گمراہ گروں کی تصانیف کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے؟ آپ حضرات نے غلامی کا حق ادا کرتے ہوئے اسلاف کے بارے میں یقیناً بہت کچھ لکھ کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا ہوگا یا آپ اپنے سارے بزرگوں کو طاقِ نسیاں کی زینت بنا کر روحانی منزلیں طے کرنے میں مشغول ہیں ؟

۱۶۔ سیاسی معاملات سے قطعاً لاتعلق ہو کر بدمذہبوں اور دین سے برگشتہ لوگوں بلکہ دشمنانِ اسلام تک کو اپنے اوپر مسلّط کر لینا، آنکھیں بند کر کے انھیں ملک و مذہب کی قسمت کے مالک بننے کا پورا موقع دینا، کہیں دین کو مٹانے کا اجازت نامہ اور اہلِ حق کی دینی موت کے پروانے پر دستخط کرنا تو نہیں ؟

۱۷۔ قیام پاکستان کے وقت دیوبندی حضرات کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے تبلیغی دستوں کے ذریعے کلمہ اور نماز کی آڑ میں اہلسنت وجماعت کے خاصے حصّے کو دیوبندی وہابی بنالیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی جماعت سے انھیں نکال کر محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے کیمپ میں پہنچا دیا۔ کیا ان بدنصیبوں کی دینی موت پر آپ تڑپے ؟ کیا آپ کی آنکھوں میں ایک دو آنسو آئے۔ کیا آپ کی راتوں کی نیندوں میں کوئی کمی اس صورتِ حال کے باعث واقع ہوئی؟ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی دینی موت کا آپ کو چنداں صدمہ نہیں ہوا۔ ورنہ اس ستم ظریفی کے راستہ میں ضرور کوئی رکاوٹ کھڑی کرتے۔ لہٰذا میدان محشر میں کشتیِٔ ملّت کی ناخدائی اور سرمایہ ملت کی نگہبانی کے امتیازی تمغے بارگاہ خداوندی سے آپ حضرات ہی کو ملیں گے ؟

۱۸۔ ماضی قریب میں اہل سنت وجماعت کے چند قابلِ قدر لکھنے والے منظرِ عام پر آئے ہیں جو مایوسی اور تنہائی کے عالم میں مسلک اور اسلاف کے دفاع میں بڑی جرأت سے لکھ رہے ہیں اور ہر میدان میں چھائے ہوئے گمراہ گروں کا مردانہ وار قلمی مقابلہ کر رہے ہیں۔

ان سرفروشوں کے ساتھ یقیناً آپ دل کھول کر تعاون کر رہے ہوں گے یا ان کی یہ جراءت رندانہ آپ کی طبع نازک پر گراں گذری ہے؟

۱۹۔ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کے نام سے یقیناً آپ روشناس ہونگے۔ اس ادارے نے چودہ پندرہ سالوں میں چودھویں صدی کے مجدد برحق امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق قابلِ قدر دلائق تحسین کام کیا اور کروایا ہے۔ اپنے ہی اس مثالی اور قابلِ تقلید ادارے کے ساتھ آپ حضرات کے تعاون کی نوعیت کیا ہے؟ اس کو قائم رکھنے اور اس کے کام کی رفتار کو تیز کرنے کی خاطر سرپرستی کے جذبے سے سرشار ہو کر آپ نے کیا اقدامات کیے ہیں؟

۲۰۔ مودودی صاحب نے اپنے قلم کی سحر کاری کے باعث کتنے ہی پڑھے لکھے حضرات کو اپنا گرویدہ بنا لیا، کالجوں میں طلبہ کی خاصی تعداد انھیں سر آنکھوں پر جگہ دیتی ہے، موصوف نے دل کھول کر مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں بڑی فنکاری سے لگائی ہیں کیا اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں آپ حضرات نے اس ستم ظریفی کا کوئی سدِ باب کیا ہے؟

۲۱۔ اپنے کتنے ہی بزرگوں کی کافی تصانیفِ عالیہ کیڑوں کی خوراک بن چکیں جو قلمی صورت میں آج بھی موجود ہیں ان کی طباعت واشاعت کے بارے میں کوئی خیال جناب کے قلوب و اذہان میں کروٹیں لیا کرتا ہے؟

۲۲۔ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اہلِ سنت وجماعت کو سیاسی، قلمی، تدریسی اور تبلیغی میدانوں میں آگے بڑھانے کی خاطر آپ حضرات نے کوئی اجتماعی نظام قائم کیا ہوا ہے یا ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی؟

۲۳۔ بدمذہب قریباً ایک صدی سے کتبِ احادیث کو اردو ترجموں کے ساتھ اردو دان طبقے تک پہنچاتے آ رہے ہیں۔ انھوں نے بیسیوں کتابیں لاکھوں کی تعداد میں اردو

ترجموں کے ساتھ پاک وہند کے گوشے گوشے میں پہنچا دیں۔ جبکہ اہل سنت وجماعت کی طرف سے صرف مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء) کی مرآۃ شرح مشکوٰۃ بازار میں دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ پوری چودھویں صدی میں حدیث کی پوری کتاب اہلسنت کے اردو ترجمے یا شرح کے ساتھ بازار میں موجود نہیں تھی۔ دریں حالات صورت حال سے بے خبر عوام الناس ان لوگوں کو دشمنان رسول اور آپ حضرات کو وارثان علم پیمبر اور عاشقان رسول مان لیں گے؟

۲۴۔ گندم نما جو فروش علماء نے قرآن مجید اور کتب احادیث کے اردو ترجمے کرتے ہوئے مقدس شجر اسلام کے اندر غیر اسلامی عقائد ونظریات کی قلمیں لگائی ہوئی ہیں۔ آپ حضرات نے سرمایہ ملت کے نگہبان بن کر اس ستم ظریفی کا کہاں تک سدباب کیا ہے۔؟

۲۵۔ برٹش گورنمنٹ کی اسلام دشمنی کا شکار ہو کر بعض علماء نے اپنی تصانیف میں اللہ اور اس کے آخری رسول کی شان میں ایسی گستاخانہ عبارتیں لکھ کر مشتہر کی ہوئی ہیں کہ کھلے کافروں کے سرغنوں کو بھی اس درجہ دل آزار اور گندی عبارتیں لکھنے کی کبھی جراءت نہیں ہوئی تھی۔ کیا ان عبارتوں کے سارے قضیہ کو آپ حضرات نے ایسے عام فہم لفظوں میں عوام الناس کو سمجھانے کی آج تک کوشش فرمائی ہے کہ عام لوگوں پر بھی ان کا گستاخانہ اور توہین آمیز ہونا واضح ہو جائے؟

۲۶۔ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے سب سے جلیل القدر پیغمبر کی شان میں گستاخانہ عبارتیں لکھیں وہی آپ کے دیکھتے ہوئے دین کے ہر شعبے پر کس طرح چھا گئے؟ پھر قیام پاکستان کے وقت انھوں نے مخالفت کی انتہا کرتے ہوئے ہندوؤں سے بھی بڑھ چڑھ کر رکاوٹیں کھڑی کیں۔ لیکن پاکستان کے بن جانے پر آپ کے جیتے جی وہی اس ملک کی ساری مشینری پر قابض ہو گئے۔ اس ستم ظریفی کا شکوہ ان لوگوں سے کیا جائے یا آپ سے؟ اس صورتحال سے آپ حضرات کی اعلیٰ کارکردگی اور دور اندیشی پر کوئی حرف تو نہیں آتا؟

کیا واقعی آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مسندِ ارشاد کی اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح دارالافتاء کی لاج رکھے ہوئے ہیں؟

۲۷۔ آپ سے پہلے جن علماء و مشائخ نے آپ حضرات کو اس مقام تک پہنچایا، سرمایہ ملت کی نگہبانی کا بخیر و خوبی حق ادا کیا۔ کسی گمراہ گر کو ذرا سر نہ اٹھانے دیا۔ اور برٹش گورنمنٹ کے اقتدار کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی خاطر ہر قسم کی بازی لگائی اور ہر میدان میں مردانہ وار ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اپنے ہی ان بزرگوں کے کارناموں کو آپ حضرات نے طاق نسیان کی زینت کیوں بنایا ہوا ہے؟ ؎

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

حضرات گرامی قدر! قیام پاکستان سے پہلے ہمارے علماء و مشائخ کی کارکردگی بہت عمدہ نہ سہی لیکن اطمینان بخش ضرور تھی۔ ان بزرگوں کی حالات پر کڑی نظر تھی اور باطل کو انھوں نے اس طرح دبوچا ہوا تھا کہ سر اٹھانے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے۔ حق و باطل کے چہرے اپنی اپنی جگہ پہ بالکل واضح تھے۔ ادھر پاکستان قائم ہوا تو معلوم نہیں کہ آپ حضرات کو کس ظالم کی نظر لگ گئی۔ خدا جانے کیوں آپ حضرات نے میدان خالی چھوڑ دیا اور لمبی تان کر سو گئے۔ لصوص دین نے موقع غنیمت جانا اور دین و دنیا کے ہر شعبے پر چھا گئے۔ حق و باطل کو غتر بود کر دیا۔ رہبروں کو راہزن اور رہزنوں کو برملا راہبر کہا جانے لگا۔ یہی وہ صورت حال تھی جس پر ۱۹۷۶ء میں یہ ناچیز بلبلایا تھا۔ آج بھی اسی طرح نوحہ کناں ہے ؎

صاحبانِ علم و عرفاں مصلحت کا ہیں شکار
حفظِ دیں کا اب دلوں سے حوصلہ جاتا رہا
آج وہ نغمے کہاں ہیں دلنواز و دلنشیں
بلبلیں سب اڑ گئی ہیں چہچہاتا رہا
مسندِ ارشاد پر کتنے ہی فائز اب بھی ہیں
شیخ سرہندی کا لیکن ولولہ جاتا رہا

کامیاب اپنے مشن میں ہو گئے تخریب کار ولئے اِک اِک نائبِ احمد رضا جاتا رہا

یاالٰہی کلکِ اختر کو بنا کلکِ رضا

دشمنانِ دین نہ یہ سمجھیں رضا جاتا رہا

حضور والا ! حق صداقت کے محافظوں کا تساہل ہر صاحبِ نظر اور دین وملت کے بہی خواہ کو اسی طرح تڑپا رہا ہے۔ ہر ایک کی خواہش یہی ہے کہ اس گلشن میں مدینہ طیبہ کی کی بلبلوں کے ایمان افروز اور دلنواز و دلنشین نغمے فردوس گوش ہوتے رہیں۔ افسوس یہاں زاغ و بوم کی دلخراش آوازیں نسبتاً زیادہ بلند ہیں۔ لیکچر بازی کے میدان میں تو آپ حضرات کی کارکردگی کچھ نظر آجاتی ہے جبکہ باقی میدانوں میں آپ انتہائی قناعت سے کام لے رہے ہیں۔ کیا ہے آپ حضرات میں سے کوئی مردِ میداں جو حضرت مجدد الف ثانی جیسے مردِ حق آگاہ کی طرح مسند ارشاد کی لاج رکھنے یا امام احمد رضا خان بریلوی کی طرح دار الافتاء کی ذمہ داریاں نبھانے کی خاطر صورت حال کا پوری طرح جائزہ لے کر نقاب پوش راہزنوں سے مقابلہ کرنے کی خاطر یہ کہتا ہوا میدان میں بے خوف وخطر کود پڑے ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم اذاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

حضور والا ! کام کرنے سے بات بنتی ہے، کام کرنے والے ہمیشہ بازی لے جاتے ہیں۔ آپ لمبی تان کر سوئے اور باطل کے علمبرداروں نے شب وروز کام کیا۔ کام کے باعث وہ چھا گئے ان کا کام نسبتاً ہے بہت مشکل کہ اپنے سرغنوں کے چہروں پر نقاب ڈالنا اور پھر انھیں رہزنوں کی جگہ رہبر منوانا، بہت کچھ گنوا لیا لیکن خدارا اب نہ گنوائیے بہت کچھ کھو دیا لیکن خدارا اب ایسا نہ کیجیے۔ مردانہ وار اٹھیے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کام کیجیے۔ یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ کیونکہ خدا کی مدد آپ کے شاملِ حال ہو گی۔ لیکن بات کام کرنے سے بنے گی۔ ؎

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

اس مقالے کے اندر اگر کوئی کام کی بات لکھ گیا ہوں تو وہ اس ناچیز کے ولی نعمت مرشد برحق، مفتی اعظم دہلی، حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) کی نگاہِ لطف و کرم کا کرشمہ ہے اور جتنی علمی غلطیاں نظر آئیں وہ احقر کی کوتاہ علمی کے باعث ہیں۔ اہلِ علم حضرات اگر ناشر کی معرفت میری فروگذاشتوں سے مطلع فرمائیں تو نوازش ہوگی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

گدائے در اولیاء
عبدالحکیم خان اختر
مجددی مظہری شاہ جہان پوری
لاہور چھاؤنی

۱۱ر شوال المعظم ۱۴۰۴ھ
مطابق ۱۰ر جولائی ۱۹۸۴ء

اعلیحضرت اپنی تصانیف کی روشنی میں

امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا شمار ایک ہزار کے لگ بھگ[1] ہے جن میں سب سے ضخیم اور معرکۃ الآرا تصنیف "فتاوی رضویہ" ہے جو بڑے سائز کی بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے مسودہ کی ہر جلد قریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور ابتدائی چار جلدیں چھپ[2] چکی ہیں۔

اعلیحضرت کی دیگر سینکڑوں تصانیف کے علاوہ تفسیر، حدیث اور فقہ کی ان مشہور و متداول عربی کتب کی شرح و حواشی کو دیکھا جائے، جو آپ نے لکھے تو حیرت ہوتی ہے۔ ان غیر مطبوعہ علمی خزائن کا علمی معیار آپ کی مطبوعہ تصانیف کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اُن کتابوں کے نام ملاحظہ ہوں جن کے حواشی آپ نے لکھے :۔

تفسیر

(۱) تفسیر بیضاوی
(۲) عنایت القاضی
(۳) معالم التنزیل
(۴) خازن
(۵) الاتقان فی علوم القرآن
(۶) الدر المنثور

[1] اعلیحضرت کی تصانیف کی مکمل فہرست مجلس رضا کے زیر اہتمام تیار ہو رہی ہے جوں ہی یہ مکمل ہو گئی عوام کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالے۔

[2] بفضلہ تعالیٰ فتاوی رضویہ کی پانچویں جلد بھی پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں میں چھپ چکی ہے۔

حدیث وغیرہ

۷ صحیح بخاری
۸ صحیح مسلم
۹ ترمذی
۱۰ نسائی
۱۱ ابن ماجہ
۱۲ تقریب
۱۳ مسند امام اعظم
۱۴ کتاب الحج
۱۵ کتاب الآثار
۱۶ مسند امام احمد بن حنبل
۱۷ طحاوی
۱۸ دارمی
۱۹ خصائص کبریٰ
۲۰ کنز العمال
۲۱ ترغیب وترہیب
۲۲ کتاب الاسماء والصفات
۲۳ القول البدیع
۲۴ نیل الاوطار
۲۵ المقاصد الحسنہ
۲۶ اللآلی المصنوعہ
۲۷ موضوعات کبیر
۲۸ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ
۲۹ تذکرۃ الحفاظ
۳۰ عمدۃ القاری
۳۱ فتح الباری
۳۲ ارشاد الساری
۳۳ نصب الرایہ
۳۴ جمع الوسائل فی شرح الشمائل
۳۵ مرقاۃ المفاتیح
۳۶ اشعۃ اللمعات
۳۷ مجمع بحار الانوار
۳۸ فتح المغیث
۳۹ میزان الاعتدال
۴۰ العلل المتناہیہ
۴۱ تہذیب التہذیب
۴۲ خلاصہ تہذیب الکمال

فقہ وغیرہ

۴۳ فواتح الرحموت
۴۴ حموی شرح الاشباہ والنظائر
۴۵ الاسعاف فی حکم الاوقاف
۴۶ اتحاف الابصار
۴۷ کشف الغمہ
۴۸ شفاء السقام
۴۹ کتاب الخراج
۵۰ معین الحکام
۵۱ ہدایہ آخرین
۵۲ میزان الشریعۃ الکبریٰ
۵۳ فتح القدیر
۵۴ بدائع الصنائع

۵۵	جوہرہ نیرہ	۶۶	کتاب الانوار	۷۷	عقود الدریہ
۵۶	جواہر اخلاطی	۶۷	رسائل شامی	۷۸	فتاویٰ حدیثیہ
۵۷	مراقی الفلاح	۶۸	فتح المعین	۷۹	فتاویٰ بزازیہ
۵۸	مجمع الانہر	۶۹	الاعلام بقواطع الاسلام	۸۰	فتاویٰ زرینبیہ
۵۹	جامع الفصولین	۷۰	شفاء السقام	۸۱	رسائل قاسم
۶۰	جامع الرموز	۷۱	طحطاوی علی الدر المختار	۸۲	فتاویٰ غیاثیہ
۶۱	تبیین الحقائق	۷۲	فتاویٰ عالمگیری	۸۳	فتاویٰ عزیزیہ فارسی
۶۲	بحر الرائق	۷۳	فتاویٰ خانیہ	۸۴	عنایہ جلبی
۶۳	رسائل الارکان	۷۴	فتاوی سراجیہ	۸۵	تیسیر شرح جامع صغیر
۶۴	غنیۃ المستملی	۷۵	خلاصۃ الفتاویٰ		
۶۵	فوائد کتب عدیدہ	۷۶	فتاویٰ خیریہ		

گویا جتنا کام کوئی پوری جماعت نہیں کر سکتی وہ تنہا اعلیٰحضرت نے کر کے دکھا دیا آپ نے بعض نئے پیش آمدہ مسائل کا حل بڑے محققانہ انداز پر کیا ہے۔ اختلافی مسائل کا فیصلہ ایسے دلائل کی روشنی میں کیا کہ مخالفین کو دم مارنے کی مجال اور موافق کے لیے دلائل میں اضافے کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ ذیل میں ہم اس فقیہ اعظم کے بعض فتاویٰ کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں جن سے فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے فقہی مقام اور درجۂ امامت کو سمجھنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے کیونکہ

الفاظ کے نگر میں مطالب کی چاندنی
فقروں میں کہکشاں کی ضیا ہے ڈھلی ہوئی

نوٹ:۔ کتب تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ جن کتب پر حواشی لکھے ہیں ان کے نام درج نہیں کیے گئے۔ صرف موضوع سے متعلق کتب کے اسماء کی فہرست پیش کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔

① مسئلہ تقبیل الابہامین

۱۳۰۱ھ میں اعلیحضرت مجدد دین وملت سے بایں الفاظ سوال ہوا: کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمہ "اشهد ان محمدا رسول الله" سن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا کیسا ہے"؟

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت کہ آپ کی عمر انتیس ۲۹ سال تھی، ایسا جواب تحریر فرمایا کہ چشم فلک نے ایسا جامع جواب اس مسئلے کا نہ دیکھا ہوگا۔ اولاً مقاصد الحسنہ، مسند الفردوس، موجبات الرحمۃ، تاریخ شمس الدین محمد بن صالح مدنی، شرح نقایہ، کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ اور تکملہ مجمع بحار الانوار وغیرہ کے حوالوں سے اس فعل کا استحباب ثابت کیا۔

تقبیل الابہامین کا اثبات جن احادیث سے ہوتا ہے ان میں درجہ رفع پر کوئی ایک حدیث بھی فائز نہیں ہے۔ مثلاً مقاصد میں ہے: "لا یصح فی المرفوع من کل هذا شیٔ" اسی طرح مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات کبیر میں فرمایا: کل مایروی فی هذا فلا یصح رفعه البتة۔ یوں ہی علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں علامہ اسمٰعیل جراحی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا: لا یصح فی المرفوع من هذا شیٔ۔

ایسے ہی بیانات وارشادات کی روشنی میں منکرین حضرات نے تقبیل ابہامین کے انکار اور سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے بغض وعناد کے اظہار کی ٹھانی۔ بنیاد یہی عناد تھا جس پر انکار کی دیوار کھڑی کر دی۔ علمائے کرام نے تو مرفوع ہونے کا انکار کیا لیکن ان نرالے محدثوں، انوکھے مفتیوں نے سینہ زوری سے مداخلت فی الدین کر کے

جملہ احادیث کو بیک جنبشِ قلم ضعیف اور موضوع ٹھہرا دیا۔ منکرین کا یہی تحکم، رسالہ نافعہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" کی تصنیف کا باعث ہے۔ مسئلہ کی مناسبت سے یہ فتویٰ اسی اسم سے مسمّٰی ہوا اور مضمونِ مباحث کی رعایت سے تمہ کا مدالعاد والکاف فی حکم الضعاف مدّتاریخی نام رکھا گیا۔ آگے بحث کا آغاز یوں فرمایا گیا، جس نے اس فتوے کو معرکۃ الآرا بنا دیا۔

"محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے بلکہ صحیح ان کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجے کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت و دشوار اور موانع و علائق کثیر و بسیار، حدیث میں اُن سب کا اجتماع اور ان سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے پھر اس کمی کے ساتھ اُس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے۔ اُن (محدثین) کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرما دیتے ہیں کہ حدیث صحیح نہیں۔ یعنی اس درجہ علیا کو نہ پہنچی۔ اس سے دوسرے درجے کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ یہ باآنکہ صحیح نہیں۔ پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند رتبہ سے جھکا ہوتا ہے"۔

(منیر العین ص۱۴)

اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دعویٰ کا حلیہ شرح منیہ، صواعق محرقہ، اذکار امام نووی کی تخریج احادیث لابن حجر عسقلانی، نزہۃ النظر توضیح نخبۃ الفکر لابن حجر عسقلانی، موضوعات کبیر مولانا علی قاری، جواہر العقدین فی فضل الشرفین مولانا نور الدین علی سمہودی، شرح مواہب زرقانی، شرح صراط مستقیم شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ کی صریح عبارتوں سے ثبوت پیش کیا۔

پھر امام بدر الدین زرکشی کی کتاب النکت علی ابن الصلاح، خاتم الحفاظ، علامہ جلال الدین

سیوطی کی لآلی، امام علی بن محمد بن عراق کی تنزیہہ الشریعۃ المرفوعہ، علامہ محمد طاہر فتنی کے خاتمۂ مجمع بحار الانوار، موضوعات لابن جوزی، امام ابن حجر عسقلانی کی القول المسدد فی الذب عن مسند احمد، امام سیوطی کی التعقبات علی الموضوعات، مولانا علی قاری کی موضوعات، علامہ زرقانی کی شرح مواہب وغیرہ کتب کے حوالہ جات سے ثبوت دیا کہ محدثین کے "لا یصح" کہنے سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

اس کے ساتھ ہی فتح القدیر، حلیہ، مرقاۃ (مولانا علی قاری) وغیرہ کتب سے ثابت کیا کہ سند کا منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں بلکہ تعقبات کے تین حوالوں سے واضح کیا کہ حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مدرج بھی موضوع نہیں بلکہ راوی مبہم ہو تب بھی حدیث کو وضعی نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ نیز امام ابن حجر عسقلانی کی قوت الحجاج، امام سیوطی کی تعقبات، امام نووی کا مقدمہ منہاج، حافظ شمس الدین ذہبی کی تاریخ، امام سیوطی کی لآلی اور تدریب کے حوالوں سے ثابت کیا کہ اگر محدثین کسی حدیث کو سند کے ضعف کی وجہ سے ضعیف کہہ دیں پھر بھی اس کو موضوع کہنا ظلم ہے۔

آگے امام ذہبی کی میزان الاعتدال، امام سیوطی کی لآلی و تعقبات، امام بدرالدین زرکشی کی کتاب النکت علی ابن الصلاح، موضوعات ابو الفرج، امام سخاوی کی فتح المغیث، مولانا علی قاری کی موضوعات کبیر، مسدد، کتاب الاصابہ، مولانا علی قاری کا حاشیۂ نزہت النظر، شرح مواہب لدنیہ زرقانی، حرز ثمین شرح حصن حصین اور مقاصد حسنہ وغیرہ کی عبارتیں پیش کر کے اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"بحمد اللہ تعالیٰ فقیر آستان قادری غفر اللہ تعالیٰ لہ کے ان گیارہ افادات نے مہر نیم روز و مہ نیم ماہ کی طرح روشن کر دیا کہ احادیث تقبیل ابہامین کو وضع و بطلان سے اصلاً کچھ علاقہ نہیں۔ ان پندرہ بیضوں سے اس کا پاک ہونا بدیہی اور یہ بھی صاف ظاہر کہ اس کا مدار کسی وضاع، کذاب یا

متہم بالکذب پر نہیں۔ پھر حکم وضع محض بے اصل وواجب الدفع، ولہذا علمائے کرام نے صرف لَا یُصِحُّ فرمایا۔ یہاں تک کہ وہابیہ کے امام شوکانی نے بھی باآنکہ ایسے موقعہ میں سخت تشدد اور ربت مسائل میں بے معنی تفرد کی عادت ہے، قواعد مجموعہ میں اسی قدر پر اقتصار کیا اور موضوع کہنے کا راستہ نہ ملا۔ اگر بالفرض کسی امام معتمد کے کلام میں حکم وضع واقع ہوا ہو تو وہ صرف کسی سند خاص کی نسبت ہوگا نہ کہ اصل حدیث پر، جس کے لیے کافی سندیں موجود ہیں، جنہیں وضعِ واضعین سے کچھ تعلق نہیں۔" (منیر العین ص۳۵)

اس ضمن میں "نخبۃ الفکر" سے اسباب طعن کی دس قسمیں بیان فرمائیں۔ یعنی:۔

۱۔ کذب ۲۔ تہمت ۳۔ کثرتِ غلط ۴۔ غفلت ۵۔ فسق ۶۔ وہم ۷۔ مخالفتِ ثقات ۸۔ جہالت ۹۔ بدعت ۱۰۔ سوئے حفظ۔

مذکورہ بالا تصانیف کے متعدد حوالہ جات سے اپنے نظریے کو موکد کرنے کے بعد فرمایا:۔

"ایسے غافل شدید الطعن کی حدیث بھی موضوع نہیں۔" (ص۲۴)

جن اسباب سے موضوعیت ثابت ہوسکتی ہے ان کا شمار پندرہ تک پہنچا کر، بجا طور پر ارشاد فرمایا:۔

"یہ پندرہ باتیں ہیں کہ اس جمع و تلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں۔"

(منیر العین ص۲۹)

پھر مرقاۃ، موضوعات کبیر، فتح القدیر، میزان الشریعۃ الکبریٰ، صواعق محرقہ، تعقبات، تیسیر شرح جامع صغیر، سراج المنیر، شرح عقائد نسفی، منح الروض الازہر، قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، اربعین نووی، شرح مشکوٰۃ لابن حجر مکی، حرز ثمین، مقاصد حسنہ، مقدمہ امام ابوعمرو ابن الصلاح، مقدمہ جرجانیہ، التقریب النووی، تدریب الراوی، کتاب الاذکار، حدیقہ ندیہ، العقد التنضید،

غنیۃ المستملی، حلیہ شرح منیہ، میزان الشریعہ۔ رسالہ دعائیہ مصنفہ خرم علی بلہوری اور مظاہر حق وغیرہ کتب کی روشن تصریحات سے ثابت کیا کہ:۔

۱۔ تعدد طرق سے ضعیف حدیث بھی قوت پا لیتی بلکہ حسن ہو جاتی ہے۔

۲۔ حدیث مبہم ومجہول تک تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے۔

۳۔ دو سندوں سے آنا بھی قوت کے لیے کافی ہے۔

۴۔ اہل علم کے عمل کر لینے سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔

۵۔ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث حجت اور اس پر عمل کرنا مستحب ہے۔ بعدہٗ دنیائے اسلام کے اس مفتیٔ اعظم نے فرمایا:

کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہل حق سے موافق ہیں، "مولوی خرم علی رسالہ دعائیہ میں لکھتے ہیں۔ "مدضعاف در فضائل اعمال وفیما نحن فیہ باتفاق علماء معمول بہا است"۔ الخ مظاہر حق میں راوی حدیث صلوٰۃ اوابین کا منکر الحدیث ہونا امام بخاری سے نقل کر کے لکھا "اس حدیث کو اگرچہ ترمذی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن عمل کرنا حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں باتفاق جائز ہے۔

نہا کر بدن پونچھنا، وضو میں گردن کا مسح کرنا اور تلقین وغیرہ امور ضعیف احادیث سے ثابت ہیں (شرح غنیۃ المصلی، موضوعات کبیر) اس کے باوجود انہیں مستحب شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ ان سب باتوں سے قطع نظر اعلیٰحضرت نے احادیث سے اس امر کو ثابت کیا کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہیے جبکہ خلاف صحیح حدیث نہ ہو۔ چنانچہ دار قطنی، ابن حبان، کتاب العلم، مسند امام احمد، ابن ماجہ، فوائد خلعی، ابو یعلی اور طبرانی وغیرہ سے فرامین رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش کیے۔ پھر اس مسئلے کی روح کو احادیث سے ثابت کر کے فرمایا:۔

"جب اس نے اپنی صدق نیت سے اس پر عمل کیا اور رب عزّ جلالہٗ سے

اس نفع کی امید رکھی تو مولیٰ تبارک وتعالیٰ اکرم الاکرمین ہے اُس کی اُمید ضائع نہ کرے گا، اگرچہ حدیث واقع میں کیسی ہی ہو۔" (منیر العین ص۱۴۴)

مقدمہ امام تقی الدین شہرزوری، تقریب وتدریب، فتح المبین، موضوعات کبیر، میزان الشریعۃ، کشف الغمہ، الیواقیت والجواہر وغیرہ کی عبارتیں پیش کیں جن کا یہ مفاد کہ محدثین کا ضعیف کہنا حدیث کی سند کے متعلق ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی حدیث کی سند ضعیف ہو اور حقیقت میں وہ اعلیٰ درجے کی صحیح ہو۔

بدھ کے دن پچھنے لگوانا، ہفتے کے دن خون لینا، بدھ کے دن ناخن تراشنا، وضو کے بعد انا انزلنا پڑھنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کا گہوارے میں باتیں کرنا، سفید مرغ رکھنا، خرقہ پوشی، پھول سونگھتے وقت درود شریف پڑھنا۔ وضو کے وقت کی دعائیں اور ستر ہزار کلمہ شریف پڑھنے پر گویا جان خریدنا وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے آخری پانچوں موضوع احادیث میں مذکور ہیں اور اول الذکر باقی ضعیف احادیث سے ثابت۔ اس کے باوجود علمائے کرام کے نزدیک یہ معمول ومقبول اور مندوب ومستحب۔ اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعقبات، لآلی، مسند الفردوس، تاریخ ابن عساکر، نسیم الریاض، مقاصد حسنہ، حلیہ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، تیسیر، تدریب، اتحاف الفرقہ بوصل الخرقہ، صحیح مختارہ، اطراف مختارہ، مجمع بحار الانوار، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی جلد دوم سے مذکورہ امور کو مستحب ثابت کیا ہے اور دکھایا ہے کہ خود ان علمائے کرام نے مذکورہ امور کے متعلق احادیث واردہ کو ضعیف اور موضوع بھی قرار دیا ہے۔ اس پر اتمامِ حجت کے لیے دنیائے اسلام کے مفتی اعظم سیدنا اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا مطلب ہر قول پر حاصل، ہم افاداتِ سابقہ میں مبرہن کر آئے ہیں کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں ہر گونہ ضعف شدید سے پاک و منزہ ہیں، ان پر صرف انقطاع یا جہالتِ راوی سے طعن کیا گیا، یہ ہیں بھی

تو ضعفِ قریب نہ ضعفِ شدید۔"

(منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ص۴)

مخالفین کا شگوفہ چھوڑنا کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں کتب طبقۂ رابعہ سے ہونے کی بنا پر نا قابلِ قبول ہیں۔ اُن کے اس عذرِ لنگ اور تحکم کا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کی تصانیف سے جواب دیا گیا ہے کہ کتب طبقۂ رابعہ کی تمام احادیث ضعیف نہیں بلکہ ان میں حسن بھی ہیں۔

میزان الشریعۃ الکبریٰ، کتاب الترغیب، نسیم الریاض، مواہب لدنیہ، مدارج النبوۃ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء، طحطاوی حاشیہ درمختار کے حوالوں سے ثابت کیا کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں اگر موضوع بھی ہوتیں تو غایت درجہ عدمِ اثبات ٹھہرتا، لیکن فعل کی ممانعت کا کیا ثبوت؟ امام اہلِ سنت کی زبانی سنیے!

"بالفرض حدیث موضوع و باطل ہی ہو، تاہم موضوعیت حدیث، عدم حدیث ہے، نہ حدیثِ عدم، اس کا اصل صرف اتنا ہو گا کہ اس بارے میں کچھ وارد نہ ہوا، نہ یہ کہ انکار و منع وارد ہوا، اب اصل فعل کو دیکھا جائے گا۔ اگر قواعدِ شرع ممانعت بتائیں، ممنوع ہو گا ورنہ اباحتِ اصلیہ پر رہے گا اور بہ نیتِ حسن، حسن و مستحسن ہو جائے گا۔"

(منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ص۹۳)

امام اہلِ سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جملہ ابحاث کے تحت سرخیل علمائے دیوبند جناب گنگوہی صاحب کے اعتراضات نیز اُن کی جملہ این و آں اور چنین و چناں کے مسکت جوابات دیے۔ علمائے بریلی، بدایوں، مصطفیٰ آباد، رام پور اور بمبئی نے دستخط و مواہیر کے ساتھ آپ کی تصدیق و تائید فرمائی۔ بعدہٗ اصولی طور پر منکرین سے آپ نے یوں سوال کیا:۔

"بالفرض کچھ نہ سہی تو اقل درجہ اس فعل کو اعمالِ مشائخ سے ایک عمل سمجھیے کہ بغرض روشنائی بصر معمول، ایسی جگہ ثبوتِ حدیث کی کیا ضرورت؟ صیغۂ اعمال میں تصرف و استخراجِ مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے۔ ہزاروں عمل اولیائے کرام تے ہیں کہ باعثِ نفع بندگانِ خدا ہوتے ہیں۔ کوئی ذی عقل حدیث سے ان کی سندِ خاص نہیں مانگتا، کتب ائمہ و علماء و مشائخ و اساتذہ شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز اور خود ان بزرگواروں کی تصانیف ایسی صدہا باتوں سے مالا مال ہیں۔ انہیں کیوں نہیں بدعت وممنوع کہتے۔" (منیر العین ص۱۰۲)

چونکہ مخالفین کا بدعت کی رٹ لگانا یا عدمِ ثبوت کا شور مچانا یا احادیث متعلقہ کو ضعیف و موضوع وغیرہ بتانا اور بغیر ثبوت ممانعت کرنا قلبی مرض کے سوا اور کچھ نہیں اسی لیے اعلیحضرت نے ان پر حجتِ الٰہی یوں تمام کی:

"عزیزو! خدارا انصاف، ذرا شاہ ولی اللہ کی قول الجمیل کو دیکھو اور اُن کے والد و مشائخ وغیرہم کے اختراعی اعمال کا تماشا کرو۔ دردِ سر کے لیے تختے پر ریتا بچھانا، کیل سے ابجد ہوز لکھنا، چیچک کو نیلے سوت کا گنڈا بنانا، پھونک پھونک کر گرہیں لگانا، اسمائے اصحابِ کہف سے استعانت کرنا۔ انہیں آگ، لوٹ، چوری سے امان سمجھنا، دیواروں پر اُن کے لکھنے کو آمد جن کی بندش جاننا۔ رفع جن کو چار کیلیں گوشہ ہائے مکان میں گاڑنا۔ عقیمہ کے لیے گلاب و زعفران سے ہرن کی کھال لکھنا۔ یہ کھال اس کے گلے کا ہار کرنا، استقاطِ حمل کو کسم کا رنگا گنڈا نکالنا، عورت کے قد سے ناپنا۔ گن کر نو گرہیں لگانا، چور کی پہچان کا عمل نکالنا، یٰسین پڑھ کر لوٹا گھمانا، بخار کو عیسیٰ، موسیٰ و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قسمیں دینا۔ مصروع کو تانبے کی تختی پر دو اسم کھدوانا۔ پھر تعیین یہ کہ دن بھی خاص اتوار ہو، اس کی بھی پہلی ہی ساعت میں کارہ ہو۔ اس کے سوا

صد ہا باتیں۔ ان میں کونسی حدیث صحیح یا حسن یا ضعیف ہے؟ یہ قرونِ ثلاثہ میں کب تھیں؟ اور جب کچھ نہیں تو بدعت کیوں نہ ٹھہریں؟ شاہ صاحب اور ان کے والد ماجد و فرزندارجمند واساتذہ و مشائخ معاذاللہ بدعتی کیوں نہ قرار پائے؟ یہ سب تو بے سند حلال و نفائس اعمال مگر اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا، اس سے روشنی بصر کی امید رکھنا کہ اکابر سلف سے ماثور، علماء و صلحاء کا دستور، کتب فقہ میں مسطور یہ معاذاللہ حرام و وبال و موجب ضلال۔ تو کیا بات، یہاں نامِ حضور سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم درمیان ہے لہٰذا دلوں کی دبی آگ کو بحیلہ بدعت شعلہ فشاں ہے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من اندازِ قدت را می شناسم (منیر العین ص۱۰۳)

اس مسئلہ تقبیل ابہامین میں اعلیحضرت قدس سرہٗ نے علمِ اصولِ حدیث کو جس طرح بیان کر کے رکھ دیا اور تقبیل ابہامین کا بے جا انکار کرنے والوں کی ہر راہِ فرار بند کی ہے اس کی احقر نے صرف ایک جھلک پیش کی ہے، انہوں نے اس موضوع پر جو دریا بہائے ہیں اس سے ان کی فضیلت علمی کا صحیح اندازہ، اصل کتاب "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے کہ یہ انتیس [۲۹] سالہ مفتی گویا علم کا ایک بحرِ بیکراں، گلشن مصطفوی کا بلبلِ نغمہ خواں اور مخالفین کے حق میں برہانِ الٰہی کی تیغ براں تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ مجدد دوراں تھا ؏

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

سماعِ موتیٰ

بعض علمائے دیوبند نے اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرتے اور حنفیت کا دم بھرتے ہوئے معتزلہ کے اتباع میں ادراک و سماع موتیٰ کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ اسی زمانے میں اُن کے ایک مولوی صاحب کا فتویٰ سیدنا اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ امعان سے گزرا۔ بزرگانِ دین کو اینٹ پتھروں کی طرح ٹھہرائے جانے پر مجدد دین و ملت نے جب کہ آپ کی عمر شریف تینتیس ۳۳ سال تھی ایسا مسکت جواب تحریر فرمایا کہ بزرگانِ دین یعنی اولیائے عظام اور علمائے اسلام کی مقدس ارواح کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، اُن کے ناموس کا وہ دفاع کیا کہ مسلمانوں کے گلوں میں احسان کی ہیکلیں ڈال دیں۔ اس معرکۃ الآراء جوابی فتاوے کا تاریخی نام "حیات الموات فی بیان سماع الاموات" ہے۔ اس کا مغز اعلیٰحضرت کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:۔

"یہ عجالہ نہ صرف سماع موتیٰ کا ثبوت دے گا بلکہ بحول اللہ تعالیٰ خوب واضح کرے گا کہ حضرات اولیاء بعد الوصال زندہ اور اُن کے تصرف و کرامات پائندہ اور اُن کے فیض بدستور جاری، اور ہم غلاموں، خادموں، محبوں، معتقدوں کے ساتھ وہی امداد و اعانت و یاری۔" (حیات الموات ص ۳)

بظاہر حنفی بہ باطن معتزلی کے مذکورہ فتوے میں، اموات سے خطاب کرنا انہیں سمیع و بصیر علی الاطلاق ماننا ٹھہرا کر اسے شرک یا ادنیٰ درجہ شائبہ و شبہ شرک ہونا قرار دیا۔ نیز کہا کہ درمیان زائر و مقبور حجب عدیدہ سمع و بصر حائل تو سماع اموات اور بصارت محال۔" (ملخصاً)

اس تحریر پر اہلِ سنت کے بے مثل مفتی نے تصانیف علمائے اہلِ سنت کی روشنی

میں پینتیس[۳۵] ایسے اعتراضات کیے جو مخالفین کے کسی عالم سے آج تک رفع نہ کیے جا سکے۔ پھر اکابر خاندانِ عزیزی کے اقوال سے ان کے خیالات کا رد کیا ساتھ ہی منکرین جو۔ انک لا تسمع الموتیٰ "سے غلط استدلال کرنے بیٹھ جاتے تھے۔ اُن کے بیانات پر مفصل و مدلل تبصرہ کر کے اُن کے دعوے کو دلیل سے بے گانہ ثابت کیا۔

اس کے بعد بحث کو دوسرا رنگ دے کر احادیث سے ثابت کیا کہ:۔

۱۔ موت کے بعد بھی روح اور صفات افعال روح کو بقا ہے۔ اس امر کا انیس[۱۹] حدیثوں سے ثبوت دیا۔

۲۔ اہلِ قبور کا سماع و ادراک اور احیاء کا ان سے حیا کرنا دو حدیثوں سے مدلل کر کے چار حدیثوں سے ثابت کیا کہ زندوں کے آنے، پاس بیٹھنے اور بات کرنے سے مردوں کا جی بہلتا ہے۔ آٹھ حدیثوں سے ثبوت دیا کہ زندوں کی بے اعتدالی سے مردوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ تیرہ[۱۳] حدیثوں سے مبرہن کیا کہ مردے زائروں کو پہچانتے ان کا سلام و کلام سنتے اور جواب دیتے ہیں بلکہ جوتوں کی آہٹ تک سنتے ہیں۔ کفار مقتولین بدر سے کلام کرنے کے بارے میں چھ تلقین میت کے متعلق چار اور صحابہ کرام کا اہل قبور سے کلام فرمانا بھی چار حدیثوں سے ثابت کیا۔ غرضیکہ تنزلاً ساٹھ[۶۰] اور حقیقتاً پچھتر احادیث سے مذکورہ امور کو اظہر من الشمس کر کے روئے ایقان پر احسان کا غازہ چڑھایا جس سے گلشن عقیدت کے غنچے چٹک گئے اور بیابان اعتزال میں بھٹکنے والے دم بخود رہ گئے۔

اس کے بعد تیسرا رنگ دیا گیا۔ چونکہ اعتزال پسند حضرات خود کو اہل سنت بتاتے، حنفیت کا دم بھرتے اور چشتی قادری، سہروردی نقشبندی ہونے کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں، اگرچہ یہ سب باتیں اُن کی اصطلاح میں بدعت بلکہ صریح شرک ہیں (کما فی تذکیر الاخوان و تنویر العینین)، اُن کے ان دعاوی کی قلعی کھول لینے کی غرض سے امام اہلِ سنت نے ستائیس صحابہ کرام

اکیس تابعین عظام اور دو سو پانچ مسلمہ علمائے اسلام کے اقوال وارشادات کی روشنی میں مردوں کے متعلق مذکورہ امور کو ثابت کیا اور سوا مُت محمدیہ وملتِ اسلامیہ کا نظریہ واضح کیا۔ ساتھ ہی الزامی حجت یوں بھی قائم فرما دی کہ خاندانِ عزیزی کے اکابر کی تصانیف سے ایک سو اقوال نجدیت سوز پیش فرمائے۔

مقام غور ہے کہ موتیٰ کے لیے ادراک وسماع ماننا اگر شرک ہوتا تو مذکورہ صحابۂ کرام تابعینِ عظام اور علمائے اسلام کے مسلمان ہونے کی کیا صورت ہے؟ کیا یہ سب حضرات حتیٰ کہ سارا خاندانِ عزیزی شرک میں گرفتار تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یہی منکرین حضرات، پوری امتِ محمدیہ کے مخالف اور معتزلہ کے نعلین بردار ہیں۔ اگر ان حضرات کا خاندانِ عزیزی کے اکابر اہلِ سنت سے، تابعین وصحابہ تک سے کوئی واسطہ اور تعلق ہوتا تو ہرگز ان بزرگوں کے نظریات کو غلط ٹھہرا کر معتزلہ کے ہم نوا نہ ہوتے۔ (العیاذ باللہ من ذالک)

اعلیحضرت نے اپنے بیانات کو علمائے حرمین طیبین کی تصدیق وتائید سے مزین کر کے تکمیلِ جمیل سے صورتِ مسئلہ کا حسنِ جمیل اور نمایاں کیا، جس سے واضح ہوا کہ ارواح مومنین کو اجازت ہوتی ہے کہ آسمان وزمین میں جہاں چاہیں پھریں، بزرگوں کا دور اور نزدیک سے سننا یکساں ہے۔ انہیں دور سے پکارنا ہرگز شریعت مطہرہ کے خلاف نہیں بلکہ نعمتِ خداوندی کا اظہار واقرار ہے۔ ہاں کوئی بزرگوں کو خدا مانے یا صفات خداوندی کا حامل جانے تو ایسے کے کافر ومشرک ہونے میں کیا کلام ہے؟ لیکن اس کے برعکس انہیں خدا کا بندہ اور باذن اللہ بندگانِ خدا کا معین ومددگار جانے اور اُن کے وسیع ادراک وعلم وسمع کی بنا پر، جو انہیں اُن کے پروردگار نے خوش ہو کر مرحمت فرمائے ہیں۔ دُور سے پکارے تو پکارنے والے کو مشرک بتانا معجزات وکرامات اور بزرگوں کی منزلت کا کھلا انکار ہے ورنہ اس صورت میں شرک کیسا؟ شرک کا ادنیٰ شبہ وشائبہ تک نہیں۔

منکرین سماع موتیٰ۔ مسئلہ یمین کو اپنی ڈھال بناتے تھے لیکن اس وارث علوم پیمبر نے

"الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین" کے نام سے جواب دے کر اُسے رسالہ "حیات الموات" کا گویا تکملہ بنا دیا۔ اس میں منکرین کے تمام پیش کردہ دلائل کو دو سے لاتعلق ثابت کیا، کتب حدیث، فقہ، تفسیر اور اصول کے حوالہ جات کی روشنی میں پچاس سے زائد دلیلوں اور سو سے زائد قاہر اعتراضوں سے وہ رد بلیغ فرمایا کہ لب کشائی کی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ الحمد للہ کہ مجدد دین و ملت کا یہ مبارک رسالہ اولیائے کرام کی کرامتوں، عظمتوں کا مظہر تقریباً چوراسی سال سے لاجواب ہے اور تاقیامت لاجواب رہے گا،

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

جمع بین الصلوٰتین

۱۳۱۳ھ میں اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ سفر و حضر میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ غیر مقلد حضرات اس کے قائل اور عامل ہیں نیز میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے اپنی کتاب "معیار الحق" میں بلند بانگ دعووں کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کی اور حنفی مسلک کو احادیث کے خلاف قرار دیا تھا لہذا حضرت فاضل بریلوی نے جبکہ آپ صرف اکتالیس برس کے تھے، محدث کہلانے والے میاں صاحب کے دلائل کا جواب دینا ضروری سمجھا اور ایسا عالمانہ، مجددانہ رد کیا کہ میاں صاحب اور ان کے تلامذہ میں سے آج تک کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ ان روشن و واضح دلائل کا جواب دے۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں یہ مبارک فتویٰ ص۲۰۷ سے ص۳۰۵ تک "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین" کے نام سے بڑے سائز کے اٹھانوے صفحات پر مشتمل ہے۔

بلحاظ دلائل مسئلے کا حکم شرعی اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"احادیث میں کہ حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے جمع منقول اس میں صراحتاً وہی جمع صوری مذکور یا مجمل و محتمل اسی مصرح مفصل پر محمول۔ جمع حقیقی کے باب میں اصلاً کوئی حدیث صحیح صریح مفسر وارد نہیں۔ جمع تقدیم تو اس قابل بھی نہیں کہ اس پر کسی حدیث صحیح کا نام لیا جائے۔ جمع تاخیر میں احادیث صحیحہ کے خلاف دو حدیثیں ایسی آئی ہیں جن سے بادی النظر میں دھوکا ہو مگر عند التحقیق جب احادیث متنوعہ کو جمع کر کے نظر انصاف

کی جائے تو فوراً حق ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ بھی وجہاً وامکاناً اسی جمع صوری کی خبر دے رہی ہیں۔" (فتاوی رضویہ جلد دوم صنا۲۱)

میاں صاحب نے جو بزعم خویش تحقیق پیش کی تھی اس کے متعلق فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ملاحظہ ہو:۔

"نفس مسئلہ میں بھی ملاجی نے اپنے موافق کہیں چودہ کہیں پندرہ صحابیوں سے روایات آنا بیان کیا اور خود ہی اسے بگاڑ کر کی طرف پلٹے اور چار سے زیادہ ظاہر نہ کر سکے۔ ان میں بھی عندالانصاف کچھ گنتی ہوئی بات ہے تو صرف ایک سے۔ میں بعونہٖ تعالیٰ اپنے موافق تیئس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لاؤں گا۔ ملاجی صرف چار حدیثیں بیش خویش اپنے عقید دکھا سکے، جن میں حقیقتاً کوئی بھی ان کے مفید نہیں اور آیت کا تو ان کی طرف نام بھی نہیں۔ میں بحول اللہ تعالیٰ ان سے دُونی آیتیں (آٹھ آیات) اور دس گنی حدیثیں (چالیس احادیث) اپنی طرف دکھاؤں گا۔ میں یہ بھی روشن کردونگا کہ حنفیہ کرام پر غیر مقلدوں کی طعنہ زنی ایسی ہی پوچ لچر بے بنیاد ہوتی ہے۔ میں یہ بھی بتادوں گا کہ ان صاحبوں کے عمل بالحدیث کی حقیقت اتنی ہے۔ میں یہ بھی دکھادوں گا کہ ملاجی صاحب جو آج کل مجتہد العصر اور تمام طائفہ کے اُستاد مانے گئے ہیں ان کی حدیث دانی ایک متوسط طالب علم سے بھی گرے درجے کی ہے۔" (جلد دوم صہ۲۱۴)

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً جمع صوری کے اثبات میں دس احادیث مع اُن کے مختلف طرق کے پیش فرمائیں۔ ان کے متعلق جو "معیار الحق" میں اعتراضات جڑ سے بزورِ زبان وقلم صحاح ستہ تک بلکہ صحیحین کی روایتوں میں کیڑے ڈالے، الزامات عائد کیے، چاند پر وصول پھینکی۔ اس سارے "کارنامے" کی مفصل اور مدلل حقیقت بیان کی گئی۔

جس سے انگریزوں کے بنائے ہوئے شمس العلماء کی حدیث دانی کی حقیقت وحیثیت عالم آشکار ہو جاتی ہے اور اس سے قبل تیئس صحابہ کرام سے احادیث صحیحہ مشہورہ کے ذریعے جمع صوری کا اثبات مع ابحاث مفیدہ ضروریہ متعلقہ اظہر من الشمس کیا، جس کی نظیر نہیں ملتی۔

"معیار الحق" میں میاں صاحب نے دعویٰ فرمایا تھا: "احادیث صحاح جو جمع بین الصلاتین پر قطعاً اور یقیناً دلالت کرتی ہیں۔" اس بلند بانگ دعوے کی شق اول یعنی جمع تقدیم کی عمارت دو حدیثوں کو توڑ مروڑ کر اُن کے اوپر تعمیر کی تھی۔ حدیث اوّل کو جمہور ائمہ حفاظ کی روایت سے ہٹا کر لیث بن سعد کی غریبہ شاذہ روایت کو نقل کر دیا۔ حالانکہ امام بخاری کے نزدیک یہ روایت خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع مطعون بالکذب کی جعلسازی ہے۔ حاکم نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔ دیگر ائمہ محدثین وشارحین نے اسے قبول نہیں کیا۔ حالانکہ اسی حدیث کے دوسرے طرق سے جمع صوری کا واضح طور پر اثبات ہوتا ہے۔ بس یہی میاں جی کی خانہ ساز مجتہدی تھی کہ روایات صحیحہ سے عدول اور غریبہ وشاذہ قبول کر لیتے تھے۔

حدیث دوم جو صحیحین میں ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے جس کا جمع تحقیق سے دور کا بھی تعلق نہیں، پیش کی تھی۔ اعلیٰحضرت قبلہ نے محدثین کرام اور شارحین عظام کی روشن تصریحوں کے ساتھ میاں صاحب کے دعویٰ کے بارہ رد کیے۔ جناب والا نے اس میں "مدفا" کو بے ترتیب مہلت قرار دیا تھا، اس کو زعم باطل ثابت کیا گیا۔ نیز دکھایا گیا کہ ائمہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ بالاتفاق یہی فرماتے ہیں کہ: "لیس فی تقدیم الاذان حدیث قائم۔"

جمع تاخیر پر بھی میاں صاحب نے دو حدیثیں پیش کی ہیں، پہلی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ اس سے مصنف "معیار الحق" کے دعوے کی تردید میں محدثین وشارحین کی تصریحات سے حق تحقیق ادا کیا۔ قریب دقت کو اس وقت کہنے کی دو آیات اور بارہ حدیثوں سے

مثالیں پیش کیں۔ احناف کے نزدیک مغرب کی نماز کا وقت جو شفق ابیض تک ہے اسے روایتاً صحیح اور درایتہً راجح ثابت کیا گیا۔

دوسری حدیث جابر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس پر ہر پہلو سے بحث کی جس کے پچیس مدلل جواب دیے اور ان کو صرف تین میں سمو یا پھر دس احادیث سے ثابت کیا کہ نماز کے اوقات کا حقیقی علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو تھا اور آپ کے طفیل اجلہ حذاق صحابہ کرام کو۔ اسی ضمن میں بتایا کہ مکہ مکرمہ اور مقام سرف میں دس میل فاصلہ بتانے والا کون ہے اور مدینہ منورہ سے ذوالحلیفہ اور ذات الجیش کے فاصلوں میں اختلاف کثیر دکھایا۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کا صحیح فاصلہ بتایا۔ آخر میں اتمام حجت کی غرض سے سات آیات اور تیس حدیثوں (حقیقتاً چالیس احادیث) سے نماز کے اوقات کی محافظت کا صریح حکم دکھایا جس سے جمع حقیقی کے اثبات کا تصور بھی مٹ گیا۔

آخر میں مجدد ماتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ نے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کو یوں ہمدردانہ فہمائش کی :-

"اگر خود حضرت کی حدیث دانی اتنی ہی ہے تو خدارا، خدا ورسول سے حیا کیجیے، اپنے دین دھرم پر رحم کیجیے۔ یہ منہ اور اجتہاد کی لپک، یہ طاقت اور مجتہدین پر ہمک، عمر وفا کرے تو آٹھ دس برس کسی ذی علم مقلد کی کفش برداری کیجیے، حدیث کے متون و شروح اور اصول رجال کی کتابیں سمجھ کر پڑھ لیجیے اور یہ نہ شرمائیے کہ بوڑھے طوطوں کے پڑھنے پر لوگ ہنستے ہیں۔ ہنسنے دو ہنستے گھر بستے ہیں۔ اگر علم مل گیا تو عین سعادت یا طلب میں مر گئے تو جب بھی شہادت بشرط صحت ایمان و حسن نیت۔" (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۳۰۱)

آخر میں دس نمبروں کے تحت پوری بحث کا خلاصہ بیان کر کے مسلمانوں کو یوں ناصحانہ اور مشفقانہ فہمائش کی ہے۔

"الحمدللہ مہرِ حق منجلی ہوا اور آفتابِ حق متجلی، جن جن احادیث سے جمع بین الصلوٰتین کا ثبوت، نہ سہل ثبوت، بلکہ قطعی ثبوت زعم کیا گیا تھا، واضح ہوا کہ ان میں ایک حرف ثبتِ مقال نہیں، مذہب حنفی اثباتِ صوری و نفی حقیقی دونوں میں بے دلیل بتایا تھا۔ روشن ہوا کہ قرآن و حدیث اسی کے موافق، دلائل ساطعہ اسی پر ناطق، جن میں رد و انکار کی اصلاً مجال نہیں اور بعونہٖ تعالےٰ بطفیل مسئلہ وہ تازہ مجہلہ، کہنہ مشغلہ، ادعائے عمل بالحدیث کا اشتعلا، اس کا بھرم بھی من مانتا کھلا، کہ ہوا سے غرض، ہوس سے کام اور اتباعِ حدیث کا نام بدنام۔ پرانے پرانے حد کے سیانے، جب اپنی سخن پروری پر آئیں، صحیح حدیثوں کو مردود بتائیں، ثقہ ائمہ کو مطعون بنائیں۔ بخاری و مسلم پس پشت ڈالیں۔ ان کے رواۃ و اسانید میں شاخسانے نکالیں، ہزار چھل کریں، سو ہزار پیچ، جیسے بنے سب صحیح حدیثیں ہیچ۔ امام مالک و امام شافعی کی تقلید حرام، نہ فقط حرام کہ شرک کا پیغام، مگر جب خفیہ کے مقابل دم پر بنے۔ مجتہد چھوڑ مقلدوں کی تقلید سے گانٹھی پھنسے، اب ایک ایک شافعی مالکی کو جھک جھک کر سلام، اس کے پاؤں پکڑ اس کا دامن تھام یہ بڑا پیشوا وہ بھاری امام، ان میں جس کا کلام کہیں ہاتھ لگ گیا، اگرچہ کیسا ہی ضعیف، کتنا ہی خطا، بس خضر مل گئے، غنچے کھل گئے، اندر کے جی کے کواڑ کھل گئے، سب کوفت سوخت کے غبار دھل گئے، وحی مل گئی، ایمان لے آئے، اسی سے حنفیہ پہ حجت۔ الا مان۔ اب خبردار کوئی پیچھے نہ پڑے، احبار و رہبان کی آیت نہ ۔ صور چھٹکارے کی گھڑی، بچاؤ کا وقت ہے، شرک بلا سے ہو اب تو کمت ہے۔ مسلمانو! ان حضرات کے یہ انداز دیکھے بھالے، اپنا ایمان بچائے سنبھالے، فریب میں نہ آنا یہ زہر در جام ہیں، دھوکا نہ کھانا

یہ سبزہ بردوام ہیں، بے مہاروں کی چال بہرحال بُری ہے، تقلید سے بری ائمہ سے بری ہے، بے راہ روی کا دھیان نہ لانا، چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلانا، اتباعِ ائمہ راہ ہدی ہے، راہ ہدی کا والی خدا ہے۔" (ملخصاً)

راقم آثم نے یہ دُررِ بار و گہر بار، افاداتِ رضویہ، مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر اُس ہر نیم و نہ کی ایک جھلک یا بحرِ بیکراں سے قطرۂ آب، برائے توجہ ہر شیخ و شاب پیش کیے ہیں۔ وہ بھی صرف اشارۃً کہ دیکھنے والے دیکھ سکیں اور پرکھنے والے پرکھ سکیں احقر کی یہ مجال کہاں کہ مجدد مأتہ حاضرہ، امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی بلندی پرواز یا علمی گہرائی کو کما حقہ بیان کر سکے۔ افسوس کہ جو حضرات بیان کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے ہیں۔ "مرکزی مجلسِ رضا" کا مقصد بھی اُن رہنماؤں کو بیدار کرنا ہے۔ اگر وہ حضرات یوں ہی خوابِ خرگوش کے مزے نہ لے رہے ہوتے تو میرے جیسے نااہل کو ایسے مشکل ترین موضوع پر قلم اٹھانے کی ہرگز جرأت نہ ہوتی۔ کہاں اختر جیسا نااہل اور کہاں اعلیحضرت جیسی باکمال ہستی۔ ع

اپنی کہاں بساط کہ اُن تک پہنچ سکیں
ہم ذرہ ہائے خاک ہیں وہ آفتاب تھے

نوٹ کی حقیقت اور متعلقہ مسائل

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں نوٹ بالکل نو ایجاد چیز تھی۔ مفتیانِ اعظم سے اس کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا جاتا تو تسلی بخش جواب بن نہ پڑتا تھا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کے مفتی احناف مولانا جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جزئیہ کا کما حقہ حکم شرع بیان کرنے سے اپنا عذر "اَلْعِلْمُ اَمَانَۃٌ فِیْ اَعْنَاقِ الْعُلَمَآءِ" کہہ کر پیش کیا۔

اعلیٰحضرت کا یہ پوری دنیائے اسلام پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے اس مسئلے کو اس کی صحیح صورت میں دنیا کے سامنے بدلائل قاہرہ و باہرہ مع حکم جزئیات واضح فرمایا۔ آپ جب دوسری دفعہ ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مطہرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ میں حاضری دے رہے تھے ان دنوں وہاں "الدولۃ المکیہ" کا آفتاب عالمتاب جلوہ گر ہو چکا تھا، آپ کی علمیت کے پیش نظر موقع غنیمت جان کر ایک روز مولانا عبداللہ مرداد اور مولانا محمد احمد حداوی نے نوٹ کے متعلق ایک استفتاء پیش کر دیا، جس میں بارہ سوالات تھے جو معہ جوابات "کفل الفقیہ الفاہم" کے نام سے شائع ہوئے، علمائے مکہ انگشت بدنداں رہ گئے، پوری دنیائے اسلام کے علمائے کرام عش عش کر اٹھے، خدا کا شکر ادا کیا کہ ایسے امام کامل کے فیض سے حصہ پایا۔

سوال اوّل: ھل ھو مال ام سند من قبیل الصک۔ اعلیٰحضرت نے جواب دیا کہ نوٹ کی اصل کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے جو مال متقوم ہے۔ سکہ ہونے سے لوگوں کی رغبت اس کی طرف بڑھ گئی اور یہ ضرورت میں کام آنے والی اور ضرورت کے لیے سنبھال

کر رکھنے والی چیز ہو گئی۔ بحر، شامی، ردالمحتار، بحرالرائق اور تلویح میں مال کی یہی تعریف ہے لہذا نوٹ شرعاً، عقلاً اور عرفاً مال ہے نہ کہ تمسک وغیرہ۔

فتح القدیر میں ہے "لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ۔

یعنی کوئی اپنا کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔ علاوہ بریں کاغذ کے ٹکڑے پر لکھائی وغیرہ کی وجہ سے اتنی قیمت ہو گئی ہے اور شرعاً اس کی ممانعت بھی نہیں بلکہ قرآن کریم میں نص صریح ہے اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ یعنی یہ کہ کوئی سودا تمہاری آپس کی خوشی کا ہو۔

پھر وضاحت فرمائی کہ مال کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ جو ہر حال میں ثمن رہے جیسے سونا، چاندی وغیرہ

۲۔ جو ہر حال میں مبیع ہے جیسے کپڑے اور چوپائے وغیرہ

۳۔ جن کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہو جس کے سبب کبھی ثمن ہوں اور کبھی مبیع۔

۴۔ جو حقیقتاً متاع ہو اور اصطلاحاً ثمن، جیسے پیسے کہ جب تک ان کا رواج رہے ثمن ہیں ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے معلوم ہونا چاہیے کہ نوٹ اسی چوتھی قسم سے ہے کیونکہ اصل میں تو یہ ایک متاع ہے اور اصطلاحاً ثمن۔ اسی لیے نوٹ کے ساتھ تمسک یا وثیقہ جیسا نہیں بلکہ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ فتح القدیر کی مذکورہ عبارت کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ ملاحظہ ہو۔"

۴ رصفر ۱۳۲۴ھ کو اعلیحضرت "کفل الفقیہ" کے مبیضہ کی تصحیح کے لیے کتب خانہ حرم میں پہنچے، دیکھا کہ ایک جید عالم بیٹھے مسودہ کفل الفقیہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ یعنی مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ۔ جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں اعلیحضرت نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ "لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ"۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے

اَیْنَ جَمَالُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مِنْ هٰذَا النَّصِّ الصَّرِیْحِ" حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے؟

"جب گزشتہ زمانے میں حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی علیہ الرحمہ مفتی حنفیہ تھے تو ان سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے۔ مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ موجودہ مفتی حنفیہ مولانا عبداللہ بن صدیق کا اشارہ انہیں کی جانب تھا۔"

(سوانح اعلیحضرت امام احمد رضا صفحہ ۲۲۰)

سوال دوم۔ ھل تجب فیہ الزکوٰۃ اذا بلغ نصابا فاضلا وحال علیہ الحول ام لا" اس کا جواب دیا کہ ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز یا رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضے میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں اس لیے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے۔ یہ ترجمہ پیش کیا گیا ہے اعلیحضرت کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ "ناقول نعم تجب فیہ الزکوٰۃ بشروطھا لما علمت انہ مال متقوم بنفسہ ولیس سند او تذکرۃ للدین حتی لا یجب اداؤھا مالم یقبض خمس نصاب ولا حاجۃ فیہ الی نیۃ التجارۃ لان الفتوٰی علی ان الثمن المصطلح تجب فیہ الزکوٰۃ مادام رائجا۔ ملخصا۔ (کفل الفقیہ صفحہ ۲۵)

سوال سوم:۔ ھل یصح مھرا۔ جواب دیا: "ناقول نعم یصح مھرا لما علمت اذا کانت قیمتہ وقت العقد سبع مثاقیل من فضۃ فان قل یتم کما فی العروض" (کفل الفقیہ صفحہ ۲۶)

ہاں وہ مہر ہو سکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جب کہ وقت عقد اس کی قیمت سات

مثقال چاندی ہو۔ اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔

سوال چہارم:۔ ھل یجب القطع بسرقتہ من حرز۔ اس کا جواب دیا:۔

"یجب القطع بشروطہ"۔ ملخصاً۔ (کفل الفقیہ ص۲۶) یعنی نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جبکہ اس کی شرطیں پائی جائیں۔

سوال پنجم:۔ ھل یضمن بالاتلاف بمثلہ او بالدراھم۔ جواب دیا گیا:

"نعم یضمن بالاتلاف بمثلہ ولا یجبر المتلف اداء الدراھم خاصۃ" ملخصاً۔ (کفل الفقیہ ص۲۶) ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کر دے تو اس کے تاوان میں نوٹ ہی دینا آئے گا اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

سوال ششم:۔ ھل یجوز بیعہ بدراھم او دنانیر او فلوس" جواب دیا۔

"نعم یجوز کما تعاملہ الناس فی عامۃ البلاد وقد علمت تحقیقہ"۔ مخلصاً ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عملدرآمد ہے اور تم اس کی تحقیق جان چکے۔
(کفل الفقیہ ص۲۷)

ردالمحتار میں ہے:۔

من شروط[1] انعقاد البیع کون المعقود علیہ مالا متقوما انہ لم ینعقد بیع کسرۃ خبز لان ادنی القیمۃ التی تشترط لجواز البیع فلس۔

اور اس عبارت کے تحت خود یہ شبہ وارد کیا:۔ "معلوم ان ھذا القدر من القرطاس لا یساوی فلسا ای فیکون البیع باطلا غیر منعقد اصلا فضلا عن الحرمۃ والکراھۃ۔ یعنی یہ تو واضح ہے کہ اتنے سے کاغذ کی قیمت تو ایک پیسہ بھی نہیں تو نوٹ

---

[1] بیع منعقد ہونے کی شرائط میں سے بیع کا مال متقوم ہونا ہے۔ روٹی کے ٹکڑے کی بیع باطل ہے کہ جواز بیع کے لیے کم از کم ایک پیسہ قیمت ہونا شرط ہے۔

کی قیمت باطل اور غیر منعقد ہونی چاہیے۔ مکروہ یا حرام ہونا تو دوسری بات ہے۔
اعلیحضرت کی طرف سے اس شبہے کا جواب ملاحظہ ہو:۔

اوّلاً:۔ اصل کے لحاظ سے اگرچہ وہ کاغذ کا ٹکڑا واقعی ایک پیسے کا بھی نہیں لیکن اصطلاحی طور پر تو آج اس کی مالیت سو یا ہزار روپے کی ہے لہذا حال (موجودہ) کی مالیت کو دیکھا جائے گا نہ یہ کہ اصل میں کیا ہے۔

ثانیاً:۔ مٹی کے برتن مسلمانوں میں بکتے اور خریدے جاتے ہیں۔ ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"شائع ذائع بین عامۃ المسلمین ولم ینکرہ احد مع ان اصلہ تراب والتراب لیس بمال" ملخصاً۔

ثالثاً:۔ خود پیسے کی جو اصطلاحی قیمت ہے وہ اس کی اصل کے لحاظ سے نہیں، یوں تو پیسے کی بیع بھی جائز نہیں رہتی کہ اصل کے لحاظ سے خود پیسے کی قیمت بھی ایک پیسہ نہیں ہے، مثلاً فرمایا:۔ "نبا النظر للاصل لایساوی الفلس نفسہ فلسا فلا یکون مالا متقوما فکیف یکون قیمۃ وثمنا" ملخصاً۔

رابعاً:۔ عالم کی شرعاً عقلاً عرفاً تعظیم کی جاتی ہے۔ حالانکہ اصل میں وہ بھی دوسرے آدمیوں کی طرح بے خبر پیدا ہوا تھا۔ یہ عبارت قابل غور ہے:۔ "الا تری ان العالم معظم شرعاً عقلاً عرفاً ولا نظر الی انہ فی الاصل من الذین قال اللہ تعالیٰ فیھم۔ ھو الذی اخرجکم من بطون امھتکم لا تعلمون شیئاً۔ وما ذالک الا لانہ بحدوث وصف فیہ صار متقوما عند اللہ وعند الناس بعد ان لم یکن"۔ ملخصاً

مزید برآں کفایہ۔ فتح القدیر۔ ردالمحتار، بحرالرائق، کشف کبیر، تنویر الابصار، قنیہ، ظہیریہ، درر وغرر، غنیہ، شرنبلالی، طحطاوی اور درمختار وغیرہ کتب سے اس مسئلے کا تسلی بخش اور مدلل

جواب دیا۔

سوال ہفتم:۔ اذا استبدل بثوب مثلاً یکون مقایضہ او بیعا مطلقاً

جواب دیا، قد اذناک انہ ثمن اصطلاحی فاستبدالہ بالثوب لا یکون مقایضۃ بل بیعا مطلقا ولا یتعین النوط بل یلزم فی الذمۃ کالفلوس۔" ہم تمہیں بتا چکے کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اُس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص وہی نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔ (کفل الفقیہ صد ۴۱)

سوال ہشتم:۔ ھل یجوز اقراضہ وان جاز فیقضی بالمثل او بالدراھم

اس کا جواب دیا: نعم یجوز اقراضہ لما تقدم انہ مثلی ولا یقضی الا بالمثل لانہ شان القرض بل کل دین لا یقضی الا بمثلہ الا ان تراضیا۔" ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لیے کہ اوپر گزر چکا کہ وہ مثلی ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا۔ قرض کی یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنی مثل سے، اسوائے طرفین کی رضامندی کے (کفل الفقیہ صد ۴۲)

سوال نہم:۔ ھل یجوز بیعہ بدراھم نسیئۃ الی اجل معلوم" جواب یہ دیا گیا:۔ نعم یجوز اذا قبض النوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دین بدین" ملخصا۔ ہاں جائز ہے جب کہ اسی مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں۔ (کفل الفقیہ صد ۴۲)

آگے بحر، در، ردالمحتار، ذخیرہ، مبسوط، محیط، حاوی، بزازیہ، کنز، فتاویٰ خانیہ، تنویر، ہندیہ، عالمگیری، ہدایہ، فتاویٰ قاری، جامع صغیر وغیرہ کی روشنی میں اس مسئلے کے متعلق پوری فقہ حنفیہ کا ماحصل بیان کرکے رکھ دیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول جو بظاہر اس کے خلاف نظر آتا تھا اس کی ایسی توضیح فرمائی جو صرف اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ تھا۔

سوال دہم: "ھل یجوز السلم فیه بان تعطی الدراھم علی نوط معلوم نوعا وصفة یؤدی بعد شھر مثلاً" اس کا جواب یہ دیا: "نعم یجوز السلم فی النوط" (ملخصاً) ہاں نوٹ میں بدنی (بیع سلم) جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے جو ایک روایت نادرہ بحر میں اس کے خلاف آئی ہے اس پر ہدایہ اور فتح القدیر وغیرہ کی روشنی میں بحث کی نیز دلائل عقلیہ ونقلیہ سے امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اثبات کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے انکار پر ترجیح دی اور ثابت کیا کہ اس باب میں فتویٰ قول شیخین پر دینا چاہیے۔ (کفل الفقیہ صـ۵۸)

سوال یازدہم: "ھل یجوز بیعه بازید مما کتب فیه من عدد الربابی کان بیاع نوط عشرۃ باثنیٰ عشرا وعشرین او بانقص منه کذالک؟"

جواب ملاحظہ ہو: "نعم یجوز ابیعه بازید من رقمه وبانقص منه کیفما تراضیا لما علمت عن تقدیرھا بھذا المقادیر انما حدث باصطلاح الناس وھما لا ولایة للغیر علیھما کما تقدم عن الھدایة والفتح فلھما ان یقدرا بما شاء من نقص او زیادۃ" (ملخصاً) ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہو جائے اس کا بیچنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع ومشتری پر اُن کے غیر کی کوئی ولایت نہیں جیسا کہ ہدایہ اور فتح القدیر سے گزرا تو اُن دونوں کو اختیار ہے کہ کم یا زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کریں۔ (کفل الفقیہ صـ۶۲)

مسئلے کی اس نوعیت میں بعض کے نزدیک سود کا اشتباہ بتایا جاتا تھا۔ لہٰذا وضاحت فرمائی کہ اس میں جنس اور ماپ تول برابر ہوتی ہے۔ اگر قدر اور جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام، اگر ایک چیز پائی جائے تو بیشی حلال اور ادھار حرام۔ آگے ردالمحتار، صحیح مسلم، فتح القدیر، درمختار، تنویر الابصار، ہدایہ، بحر، حاشیہ درر،

عنایہ، محیط، کفایہ، فتاویٰ قاضی خاں اور تبیین وغیرہ کے حوالوں سے نوٹ کا کم اور زیادہ پر بیچنا جائز ثابت کیا اور مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کا فتویٰ جو اس کے خلاف تھا اس کی اصلاح فرمائی۔

آگے ایسے چھ حیلے بھی از روئے شرح بیان کیے کہ جن پر عمل کر کے منافع بھی حاصل کیا جا سکے اور سود بھی نہ ہو۔ نیز نوٹ ادھار لینے دینے کا معاملہ بھی واضح فرمایا۔

سوال دوازدہم:۔ فهل يجوز اذا اراد زيد استقراض عشرة ربابي من عمرو ان يقول عمرو لا دراهم عندي ولكن ابيعك نوط عشرة باثنتي عشرة ربيه منجمة الى سنة تؤدي كل شهر ربية وهل ينهى عن ذالك لانه احتيال في الربوا ان لم نيته نما الفرق بينه وبين الربا حتى يحل هذا ويحرم ذالك مع ان المال واحد وهو حصول الفضل واحد فيهما. انيدونا الجواب توجروا يوم الحساب" اس کا جواب حسب ذیل ہے:۔

"نعم يجوز اذا قصد البيع حقيقة دون القرض وذالك لان البيع جائز التفاضل جائز والتاجيل جائز كما حققنا كل ذالك وما التنجيم الا نوع من التاجيل. نعم ان اقرض نوط عشرة وشرط ان يرد المستقرض اثنتي عشرة ربيه او احدى عشرة او عشرة وقطعه مثلا حالا او مالا منجما او غير منجم فهذا حرام وربوا قطعا لانه قرض جر نفعا وقد قال سيدنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كل قرض جر منفعة فهو ربوا." ملخصا۔ (کفل الفقیہ ص۱۱۱)

ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقتاً بیع کا ارادہ کریں، نہ قرض کا۔ اس لیے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدت معین پر ادھار جائز جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کرآئے اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے۔ ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دونی اوپر دس، اب یا کچھ مدت بعد

قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے۔ اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا اور بے شک ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سُود ہے۔

اس کے بعد ردالمحتار، ذخیرہ، بخاری، مسلم، فتح القدیر، الیضاح اور محیط وغیرہ کی روشنی میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نظریات واضح فرمائے اور ہر پہلو سے مسئلہ کی حقیقت کو روشن کر دکھایا، سود کی حد بندی کر کے جائز طریقوں پر نفع حاصل کرنے کی صورتیں بھی تحریر فرما دیں۔

دیوبندی حضرات کے نزدیک، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی تمام علومِ دینیہ میں منصبِ امامت پر فائز تھے۔ نیز فقہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی متبحر عالم اور صاحب بحرالرائق کے مدمقابل و فقیہ النفس تھے۔ ملاحظہ ہو (دیباچہ فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب مطبوعہ کراچی) گنگوہی صاحب موصوف سے بھی نوٹ کے بارے میں حکم شرع پوچھا گیا، ان کے جوابات ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ "نوٹ وثیقہ اُس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ اگر نوٹ میں نقصان آ جائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہو جائے تو بشرطِ ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ مبیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی بیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدل لے سکیں۔ پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائیگا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے، فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین۔ اُن میں زکوٰۃ نہیں۔ اگر بہ نیتِ تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی"

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص۳۵۷)

۲۔ نوٹ کی خرید و فروخت بعوض زائد قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا

اور بعد عقد حوالہ کے جائز ہے گر کم زیادہ پر بیع کرنا ربوٰا اور ناجائز ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص۴۱۸)

۳- ''روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کی رجسٹری یا بیمہ کرا دینا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص۱۷۲)

۱۳۲۹ھ میں اعلیحضرت نے ''الذیل المنوط لرسالۃ النوط'' کے تاریخی نام سے ایک مستقل رسالہ جو کفل الفقیہ کا تتمہ ہے، لکھا اس میں گنگوہی صاحب موصوف کے مذکورہ فتووں کا، جو تصریحات ائمہ کے خلاف ہیں۔ ہدایہ۔ ترمذی۔ نسائی۔ احمد۔ فتح القدیر۔ عنایہ۔ عالمگیری، ردالمحتار، درمختار، بحرالرائق، نہرالفائق، شامی، فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ کی روشنی میں وہ اٹھارہ محققانہ رد فرمائے کہ اہل علم حضرات کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور وہ باری تعالےٰ شانہٗ کا شکر بجالائے کہ ایسے مایہ ناز محقق و فقیہ اعظم کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کا شرف نصیب ہوا۔

جناب علامہ عبدالحیٔ صاحب لکھنوی نے بھی اس بارے میں ایک طویل فتویٰ جاری کیا تھا جو ان کے فتاویٰ کی جلد دوم میں چھبیسواں فتویٰ ہے۔ موصوف ایک متبحر عالم تھے لیکن ان کی تحقیق اس بارے میں ائمہ کرام کی تصریحات کے خلاف واقع ہوئی علمی غلطیوں سے چشم پوشی کر جانا ایک مجدد کی شان سے بعید ہے کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ، مجددوں کو پیدا ہی اس لیے کرتا ہے کہ دین میں جب غلط باتیں شامل کی جارہی ہوں تو مجدد تائید ربانی کے تحت اپنی قوت فیصلہ سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھائے۔

اعلیحضرت قدس سرہٗ نے علامہ عبدالحیٔ کے فتویٰ پر ازروئے دلائل، محققانہ انداز میں ایک سو بیس اعتراضات کیے۔ ان بلند پایہ ابحاث کو دیکھ کر مصنف پر مجتہد ہونے کا گمان گزرتا ہے لیکن آپ نے اس انعام خداوندی کا اظہار یوں فرمایا۔

"وللہ الحمد، بایں ہمہ حاشا نہ فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنیٰ غلاموں کا پاسنگ، ان کی خاکِ نعل کے برابر بھی منہ نہیں رکھتا، نہ معاذ اللہ شرع الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا ہے، اس فتویٰ اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جہد المقل ہے یعنی ایک بے نوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش۔" (رسالہ النوط ص۱۶۷)

تیمّم کی تعریف وماہیّتِ شرعیہ

۱۱ر محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کو اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا: "تیمم کی تعریف وماہیت شرعیہ کیا ہے؟" علومِ شرعیہ کے اس بحرِ بیکراں نے وہ جواب دیا جو فتاویٰ رضویہ شریف کی جلد اوّل کے صفحہ ۵۸۶ سے صفحہ ۸۵۰ تک جہازی سائز کے (دوسو چونسٹھ) صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر دلائل کے انبار، حوالے قطار اندر قطار، غرضیکہ علم فقہ کا ایک اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پہلے تیمم کی سات تعریفیں بیان فرمائیں۔

مسئلہ تیمم کے متعلق تمام کتب فقہ کی متعلقہ عبارات، ان پر سیر حاصل تبصرہ، اُن کی مطابقت وموافقت دکھانا، اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توجیہ ایسے محققانہ انداز سے کرنا جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ سب تائید ربانی کی کرشمہ سازیاں وگہرباریاں ہیں۔ ائمۂ دین وعلمائے امت کی متعلقہ جملہ تصریحات کے پیش نظر مفتی نے اپنے کمال اور زورِ استدلال سے میدانِ فقہ میں نیا عالمی ریکارڈ قائم کردیا جس کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے کہ ؎

ترک الاول للآخر۔

جلیل القدر فضلاء کی تصانیف میں تیمم صحیح ہونے کے لیے پانی نہ ملنے کی دس بیس سے زیادہ صورتیں نہ دیکھی گئیں جن میں عذر عند الشرع مقبول ہو مگر دیگر مایۂ ناز کتب میں بھی یکجا ایسے عذر چالیس پچاس سے تجاوز نہ کرسکے لیکن امام اہل سنت فاضل بریلوی کی باری آئی اور آپ نے پانی سے عجز کی صورتیں گنائیں تو ترتیب وار پونے دوسو بتائیں۔ والحمد للہ علی ذالک۔

تیمم کے باب میں "جنسِ ارض" کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لیے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

"جنسِ ارض، اس کی معرفت کہ جنسِ ارض کسے کہتے ہیں اور کیا کیا چیز جنسِ ارض سے ہے، کیا کیا نہیں، اہم مہم ہے کہ اسی پر مدارِ مسائل تیمم ہے فاستمع وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق"

(جلد اوّل ص۶۶۸)

اب اس کی وضاحت کرنے، کمال تحقیق کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے بایں الفاظ ابتدا کی۔

"سیدنا امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہر اس چیز سے کہ جنسِ ارض سے ہو تیمم روا ہے جب کہ غیر جنس سے مغلوب نہ ہو اور اس کے غیر سے ہمارے جمیع ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک روا نہیں، لہٰذا جنسِ ارض کی تحدید و تعدید درکار۔" (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۶۶۸)

جنسِ ارض میں اجسامِ نار سے جو آثار پیدا ہوتے ہیں ان کے لیے ہمارے ائمہ کرام اور علمائے اسلام نے پانچ الفاظ استعمال فرمائے ہیں:۔

۱۔ احتراق ۲۔ ترمد ۳۔ لین ۴۔ ذوبان ۵۔ انطباع۔

ان پر اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مفصل بحث کی اور کتب فقہ کی روشنی میں ہر ایک کی کیفیت و ماہیت اور اس کے بارے میں حکم شرعی کی وضاحت، فرمائی لیکن چونکہ علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں شمار مختلف کیے ہیں یعنی ان پانچ میں سے ایک کو دوسری میں مدغم یا اس کے تابع قرار دے کر الگ شمار نہیں کیا۔ یوں کسی کے نزدیک تین پر بس اور ان پر جو احکام صادر ہوئے ان میں بھی بعض میں بظاہر تفاوت کا خدشہ بلکہ اختلاف تک معلوم و مفہوم۔ لہٰذا اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جمیع علمائے کرام کے متعلقہ اقوال جمع کر کے ان پہ

وہ محققانہ بحث فرمائی کہ پیشِ خویش مدفقیہ النفس اور حکیم الامت بننے والی ہستیاں ان بیانات کو سو دفعہ پڑھ کر ایک مرتبہ بھی اسی طرح بیان کرنے پر قدرت نہ حاصل کر سکیں۔

اس کے بعد اہلِ سنت کے اس فقیہ اعظم اور امام اکرم نے مجددانہ شان سے ان عباراتِ علمائے کرام کی تطبیق اور پیدا ہونے والے اشکالات کا حل بہ دلائل عقلیہ و نقلیہ یوں پیش کیا۔

"بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے ان بیانات خمسہ کے معانی مقصودہ اور ان کی نسبتیں ظاہر ہو گئیں کہ احتراق عین ترمد ہے اور ترمد بمعنی اوسط اور لین و انطباع و ذوبان سب کا حاصل انطراق۔ صلاحیت لین و انطباع متلازم فی الوجود ہیں اور ان کے مشتق متساوی فی الصدق اور صلوح ذوبان بھی ظاہراً ان دونوں کا ملازم و ملزوم اور ان کا اس سے مطلقاً عموم بھی ایک احتمال غیر معلوم۔ اب بارہ عبارات اعنی باستثنائے دو پچھلی اول مورد ایراد اور دوم باطل ہے۔ سب کا حاصل دو وصفوں کا اعتبار ہوا، ترمد و انطراق۔ یا پانچوں وصف انہیں دو کی طرف راجع ہو گئے اور بفضلہ تعالیٰ اتنے فائدے حاصل ہو گئے۔

۱۔ انطباع کی لین سے تفسیر کہ "درر" نے کی صحیح اور تفسیر بالمساوی ہے۔

۲۔ تقطیع و لین سے اس کی تفسیر کہ "منح" نے کی اس کے خلاف نہیں، صرف اصل مفہوم انطباع یعنی قابلیتِ عمل کا اس میں اظہار فرما دیا ہے۔ و نعما فعل۔

۳۔ یلین و ینطبع خواہ ینطبع و یلین ہر ایک میں ایضاح کے لیے جمع متساویین ہے ان میں نہ اتحاد مصداق باطل، نہ جمع میں ایہام غلط، نہ کوئی لغویت، نہ تفسیر بالاخفیٰ۔

۴۔ اظہر تساوی انطباع و ذوبان ہے تو بدستور یذوب و ینطبع خواہ ینطبع و یذوب ایک ہی بات ہے اور اجتماع مثل جمع و لین و انطباع، البتہ اگر عموم انطباع ثابت ہو تو عبارات نہم و دہم و یازدہم نیز عبارات شمس الائمہ و ظہیریہ و خانیہ و خزانۃ المفتین میں جمع ذوبان و انطباع یا ذوبان و لین ضرور موہم غلط ہوگا کہ اب جنسیت ارض وجود و

ذوبان پر موقوف رہے گی حالانکہ مجرد انطباع سے حاصل لاجرم واؤ بمعنی او لینا ہوگا اور ذکر ذوبان ضائع، ان اکابر سے اس کا صدور ہمارے اس استظہار کی صحت پر دلیل ہے کہ ذوبان بھی ملازم انطباع ہے۔

۵۔ عبارت ششم میں ایک طرف اضافۂ انطباع دوسری طرف ترک کا حاصل ایک ہے ایضاً گا بڑھایا اور ایجازاً کم کیا۔

۶۔ یونہی عبارت سیزدہم میں ترک و ذکر لین۔

۷۔ ینطبع ویلین میں نفع ایضاح مراد ہے کہ لفظ انطباع قبیل السماع اور یلین وینطبع میں ازاحت وہم ہے کہ تو ہم لین بمعنی عام کا اندفاع۔

۸۔ یونہی ذوبان وانطباع کی تقدیم وتاخیر میں۔

۹۔ عبارت یازدہم میں خوبی یہ ہے گی کہ قسم دوم میں نار کے دونوں اثر اصلی کے لیے اگرچہ ذکر لین کافی تھا۔

۱۰۔ سیزدہم وچہاردہم میں نفع ایجاز ہے کہ ملزومات ثلثہ انطراق سے صرف ایک لیا کہ دلالت علی المقصود پر بس تھا۔ باقیوں کا مسلک ایضاح کے لیے المناب۔

۱۱۔ عبارت "عنایہ" میں برخلاف کل اومسامحت ہے یا الف زیادت ناسخ یا او تخییر فی التعبیر کے لیے یعنی ینطبع کہو یا یلین، حاصل ایک ہے۔

۱۲۔ "غرر" میں یعذ ذھو لفظ کا بڑھنا چاہیے اور "درر" میں پہلا اُڈ گھٹنا، کہ وہ جنس کی تفسیر ہو جائے اور یہ غیر جنس کا بیان۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۶۸۶)

اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اُن اشیاء کا شمار پیش کیا جن سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تیمم کرنا جائز ہے۔ فقہ حنفی کی جملہ کتابوں سے ایسی تمام اشیاء کے نام لکھے اور ہر چیز کے ساتھ ان کتابوں کا حوالہ دیا جن میں اُس چیز سے تیمم کرنا جائز بتایا ہے۔

ایسی تمام منصوصات کا شمار چوہتر ہے حالانکہ کسی ایک فقہی کتاب میں پچاس کا شمار بھی نہ ملے گا اس کے علاوہ امام اہلِ سنت نے اپنے تفقہ فی الدین اور القائے ربانی سے ایک سو سات کا شمار اپنی طرف سے ایزاد فرمایا اور ان اشیاء کی گنتی ایک سو اکاسی تک پہنچادی۔

اس کے بعد ان اشیاء کے نام مع حوالہ کتب پیش کیے جن سے تیمم جائز نہ ہونے کی تصریح ہمارے ائمہ کرام کی مایہ ناز تصانیف میں بیان ہو چکی ہے ان کا شمار اٹھاون ہوا۔ مجدد مائۃ حاضرہ نے فراستِ ایمانی اور تائید ربانی سے بہتر زیادات شامل کیے۔ اس طرح ان کا شمار ایک سو تیس ہوگیا۔ گویا جملہ منصوصات و مزیدات، جن سے تیمم جائز اور جن سے جائز نہیں۔ دونوں کا شمار تین سو گیارہ ہے۔ مذکورہ اشیاء کا شمار اتنی تعداد میں درکنار، آج دنیا کی کسی فقہی قابلِ اعتماد کتاب میں، ان کا نصف بھی نہ مل سکے گا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

اس کے بعد تر زمین[1]، کیچڑ[2]، زمین و خاک سوختہ[3]، خاکستر[4]، پکی اینٹ[5]، نمک زار زمین[6] شیشہ[7]، مردار سنگ[8]، مرجان[9]، ذہب[10]، فضہ[11]، حدید[12]، رصاص[13]، صفر[14] اور نحاس سے تیمم جائز ہونے یا نہ ہونے کے متعلق اکثر کتب فقہ کی روشنی میں بحث فرمائی۔ چنانچہ ۱ کے بارے میں گیارہ ۲ پر بارہ ۳ پر سولہ ۴ پر سترہ ۵ پر چودہ ۶ پر آٹھ ۷ پر پندرہ۔ ۸ پر انیس ۹ پر آٹھ ۱۰ پر سترہ ۱۱ پر چودہ ۱۲ پر چودہ ۱۳ پر نو ۱۴ پر نو ۱۵ پر آٹھ حوالہ جات کتب فقہ سے پیش کرکے، ترجیح دلائل و صور مختلفہ و صفاتِ حقیقیہ و مصنوعہ کے بارے میں حکم عدل و قول مصرح کیے۔ یہ بیان بھی اتنا مفصل و مدلل کسی فقہی کتاب میں نہ مل سکے گا۔ بعدہٗ تیمم کے متعلق اکیس مسائل کو مدلل طور پر پیش فرمایا۔ پھر تقریباً تین درجن کتب فقہ کی روشنی میں اس امر کی تصریح و تشریح کی کہ جس طرح وضو اور غسل سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے۔ تیمم سے اس طرح مٹی مستعمل نہیں ہوتی۔ اس میں صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خلاف موجود ہے مگر از روئے دلائل ترجیح بہر صورت، مسلکِ حنفیہ کو ہے جسے واضح کر دکھایا ہے۔

جناب گنگوہی صاحب سے کسی نے سوال کیا تھا کہ مسجد کی دیوار سے تیمم جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب آنجناب نے بایں الفاظ دیا تھا۔ "تیمم دیوارِ مسجد سے کرنے کو بعض کتب فقہ میں مکروہ لکھا ہے"۔ اس کا دلائل قاہرہ سے رد فرمایا گیا۔ بعض کتب فقہ پر جو کراہت کا بہتان باندھا تھا اس سے ظاہر ہوگیا کہ آنجناب کو فقہی مسائل میں قطعاً عبور نہیں تھا۔ جو ذہن میں آتا وہی لکھ دیتے تھے۔

اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس ایک مسئلہ تیمم میں جس قدر دلائل پیش کیے، تمام کتب فقہ کی روشنی میں جو سیر حاصل تبصرہ فرمایا اور اس سے جو آپ کی علمیت ثابت ہوتی ہے اس کے لحاظ سے ہر منصف مزاج یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ بے شک اعلیٰحضرت مرکزِ دائرۂ تحقیق اور اہلِ سنت کے امام ہیں۔ موافقین و مخالفین کی فقہی تصانیف موجود ہیں، انہیں سامنے رکھ کر دیکھیے، نتیجہ صاف ظاہر ہے بغض و عناد کی بنا پر اعلیٰحضرت کے لیے کوئی خواہ کچھ بھی کہتا پھرے لیکن اس چودھویں صدی میں کسی عالم کا آپ سے سبقت لے جانا یا مساوی ہونا تو دور کی بات ہے حقیقتاً کوئی بلحاظ علمیت آپ کی گردِ راہ کو بھی نہ پاسکا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ سنی مسلمان جو امام اہلِ سنت، مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں مسلک اسلاف کو اپنا کر حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے بے دینوں، گمراہوں کے پھندوں سے بچے ہوئے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

۶

مسئلہ امکانِ کذب

متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے پوتے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ) نے معتزلہ، کرامیہ، مزداریہ اور ظاہریہ وغیرہ فرقِ ضالہ کے اتباع میں، امکانِ کذب باری کا نظریہ اپنے رسالہ "یکروزی" میں لکھ کر ایک کفریہ بدعت کو رواج دیا۔ جو روحِ اسلام اور شریعتِ محمدیہ کے بالکل خلاف ہے۔

علمائے اہلِ سنت اور خاندان عزیزی کے خوشہ چین اہل علم حضرات نے تصنیف و تالیف اور مباحثوں مناظروں کے ذریعے، مصنف یکروزی اور ان کے ہم خیال علماء کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ یہ نظریہ نیم بسمل کی طرح تڑپتا ہوا نظر آنے لگا اور مکذبین باری تعالیٰ نے مجبور ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے زبان و قلم کو روک لیا۔

سالہا سال بعد اگر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اور مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی[1] (المتوفی ۱۳۴۵ھ) اپنی رسوائے زمانہ کتاب "براہین قاطعہ" میں اس مسئلہ کو دوبارہ زیر بحث نہ لاتے اور اس کی علمبرداری نہ کرتے تو یہ غیر اسلامی عقیدہ بھی اپنے ہندوستانی موجدوں کے ساتھ ہی زندہ درگور ہو گیا ہوتا اور ایک زبردست

---

[1] ان دونوں حضرات کے خیالات فاسدہ کو سمجھنے کیلئے تقدیس الوکیل عن توہین الرشید و الخلیل" مصنفہ مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ شائع کردہ نوری بک ڈپو لاہور بھی ملاحظہ کی جائے۔ (محمد عارف رضوی)

فتنہ کا دروازہ بند ہو جاتا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اس میدان میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئے۔ اپنے ایک مہری و دستخطی فتوے میں صاف تصریح کر دی کہ وقوعِ کذب کے قائل کو تفسیق و تضلیل سے مامون رکھنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

چونکہ شریعتِ محمدیہ میں امکانِ کذب کی قطعاً گنجائش نہیں لہٰذا عوام کو مغالطہ دینے کی غرض سے دینِ مصطفوی پر یوں غضب ڈھایا کہ خلفِ وعید کو امکانِ کذب کی نوع ٹھہرا دیا، حالانکہ محققین نے خلفِ وعید کا بھی انکار کیا ہے اور جن علمائے کرام نے اسے جائز ٹھہرایا ہے وہ اس کا صرف امکان نہیں بلکہ وقوع مانتے ہیں۔ یوں گنگوہی اور انبٹھوی صاحبان وقوعِ کذبِ باری کے قائل ٹھہرتے ہیں۔

جب یہ نئے مکذبین باری تعالےٰ، شانِ خداوندی میں جھوٹ جیسے عیب کا دھبہ لگا رہے تھے تو چاروں طرف سے علمائے اہلِ سنت نے ان کا محاسبہ کیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ منکرینِ تنزیہ و تقدیسِ باری تعالیٰ شانہٗ کی تردید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ۱۳۰۷ھ میں شہر میرٹھ سے جناب ابو محمد صادق علی مداح صاحب نے اس مسئلہ کی صحیح صورتِ حال معلوم کرنے کی غرض سے امام اہلِ سنت مجددِ دین و ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں استفتاء بھیجا۔

اُس وقت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی عمر صرف بینتیس سال تھی آپ نے جو معرکتہ الآرا جواب دیا وہ تاریخی سال سے لاجواب اور "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" کے تاریخی نام سے مشہور و معروف ہے۔ جس نے اس خلافِ اسلام عقیدہ کے اگلے پچھلے سارے علمبرداروں کے سب حیلے حوالے ملیامیٹ کر دیے اور مکذبینِ تقدیسِ باری کے بلند بانگ دعاوی کا شیش محل، اس کے منصۂ شہود پر آتے ہی، بلبلے کی طرح مٹ گیا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مکذبین اپنی سب سے بڑی دلیل آیہ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کو بناتے تھے اور کہتے تھے کہ جو باری تعالیٰ شانہ کو جھوٹ پر قادر نہیں مانتے (یعنی اہل سنت) وہ قادر مطلق کی شان میں عجز کا دھبہ لگاتے ہیں۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے "سبحان السبوح" کے مقدمے میں ہی چار مثالوں کے ذریعے اس مغالطہ کا ازالہ کیا اور بتایا کہ کُلِّ شَیْءٍ پر قادر ہونے کا مطلب کیا ہے ملاحظہ ہو۔

۱۔ "خلاقِ کبیر جل وعلا فرماتا ہے: خالق کل شیئ فاعبدوہ۔ وہ ہر چیز کا بنانے والا ہے تو اسے پوجو۔ یہاں صرف حوادث مراد ہیں کہ قدیم یعنی ذات وصفاتِ باری عز مجدہٗ مخلوقیت سے پاک (ہیں)

۲۔ سمیع وبصیر جل مجدہ فرماتا ہے۔ انہ بکل شیئ بصیر۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

یہ تمام موجودات قدیمہ وحادثہ سب کو شامل مگر معدومات خارج یعنی مطلقاً یا جس چیز نے ازل سے ابد تک کسوتِ وجود نہ پہنی نہ ابد تک پہنے۔ کہ ابصار کی صلاحیت موجود ہی میں ہے، جو اصلاً ہے ہی نہیں وہ نظر کیا آئے گا؟ تو نقصان جانبِ قابل ہے نہ جانبِ فاعل۔ (شرح فقہ اکبر للقاری، شرح السنوسی للجزائریہ اور حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کی واضح عبارتوں سے اس کا ثبوت دیا۔

۳۔ قوی قدیر تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: وھو علی کل شیئ قدیر۔ وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ یہ موجود ومعدوم سب کو شامل، بشرطِ حدوث وامکان کہ واجب ومحال اصلاً لائق مقدوریت نہیں۔ مواقف میں ہے۔ القدیم لایستند الی القدرۃ۔ شرح مقاصد میں ہے۔ لا شیئ من الواجب والممتنع بمقدور۔

امام شافعی فرماتے ہیں۔ جمیع المستحیلات العقلیہ لاتعلق للقدرۃ بہا۔ کنز الفوائد میں ہے خرج الواجب والمستحیل فلایتعلقان ای القدرۃ والارادۃ بہما۔ شرح فقہ اکبر میں ہے لایمتنع بنفس مفہومہ کجمع الضدین وقلب الحقائق واعدام القدیم لایدخل تحت القدرۃ القدیمہ۔

۴۔ علیم خبیر عزشانہ فرماتا ہے:۔ وھو بکل شیئ علیم۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہ کلیہ واجب و ممکن و قدیم و حادث و معدوم و مفروض و موہوم غرض ہر شے و مفہوم کو قطعاً محیط جس کے دائرے سے اصلاً کچھ خارج نہیں، یہ ان عمومات میں سے ہے جو عموم قضیہ "ما من عام الا وقد خص منہ البعض" سے مخصوص ہیں۔

(سبحان السبوح ص۵)

اسی ایمان افروز بیان کو عام فہم الفاظ میں آگے یوں سمجھایا ہے:۔

"اب دیکھیے لفظ چاروں جگہ ایک ہے یعنی کل شیئ مگر ہر صفت نے اپنے ہی دائرے کی چیزوں کا احاطہ فرمایا، جو اس کے قابل اور اس کے احاطہ میں داخل تھیں، تو جس طرح ذات و صفات خالق کا دائرہ خلق میں نہ آنا معاذ اللہ عموم خالقیت میں نقصان نہ لایا، نقصان جب تھا کہ کوئی مخلوق احاطہ سے باہر رہتا، یا معدومات کا دائرہ ابصار سے مہجور رہنا یا ذ باللہ احاطہ بصر الٰہی میں باعث فتور نہ ہوا۔ فتور جب ہوتا کہ کوئی مبصر خارج رہ جاتا۔ اسی طرح صفت قدرت کا کمال یہ ہے کہ جو شے اپنی حد ذات میں مقدور ہونے کے قابل ہے اس سب پر قادر ہو، کوئی ممکن احاطۂ قدرت سے جدا نہ رہے، نہ یہ کہ واجبات و محالات عقلیہ کو بھی شامل ہو، جو اصلاً تعلق قدرت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔" (سبحان السبوح ص۳)

آگے تین عام فہم مثالوں سے واضح کیا کہ محالات میں تعلق قدرت کی صلاحیت کیوں

نہیں ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"قدرت الٰہی صفتِ کمال ہو کر ثابت ہوئی ہے، نہ معاذ اللہ صفتِ نقص و عیب، اور اگر محالات پر قدرت مانئے تو ابھی انقلاب ہوا جاتا ہے، وجہ سنئے، جب کسی محال پر قدرت مانی اور محال، محال سب ایک سے، معہٰذا تمہارے..... خیال پر جس محال کو مقدور نہ کیسے آناہی عجز و قصور سمجھئے تو واجب کہ سب محالات زیرِ قدرت ہوں اور منجملہ محالات، سلبِ قدرت الٰہیہ بھی ہے، تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو کھو دینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنا لینے پر بھی قادر ہو، اچھا عمومِ قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی۔ (سبحان السبوح صہ)

مسئلہ پر بحث کی ابتداء اشاعرہ و ماتریدیہ کے مائیہ ناز علماء اور متکلمین کی روشن عبارتوں سے فرمائی جن سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ اُمّتِ مرحومہ کا اس پر اجماع ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ، جمیع عیوب و نقائص سے عقلاً و شرعاً، پاک اور منزہ ہے۔ ہمارے امام المتکلمین نے جو تیس عبارتیں پیش فرمائیں اُن میں سے آخری یہ ہے جو منکرین کے مسلمہ بزرگ کا عقیدہ ہے۔

"افسوس کہ امام الوہابیہ کے نسباً چچا اور علماً باپ اور طریقۃً دادا یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی اس لیسر نامور کی رعایت نہ فرمائی کہ تفسیر عزیزی میں زیرِ قولہ تعالیٰ فلن یخلف اللہ عہدہ یوں تصریح فرمائی "خبر اُو تعالیٰ کلام ازلی ست و کذب در کلام نقصانیست عظیم کہ ہرگز بصفات اُو راہ نیابد در حق اُو تعالیٰ کہ مبرا از جمیع عیوب و نقائص است خلافِ خبر مطلقاً نقصان محض است" ملخصاً۔ مدعیانِ جدید سے پوچھا جائے کہ جناب باری میں کہاں تک نقصان ممکن مانتے ہیں؟
(سبحان السبوح صہ ۱۵)

یہ تھا تنزیہ اول کا خلاصہ، تنزیہ دوم میں استحالہ کذب پر تیس دلائل قائم فرمائے ہیں۔ دلائل بھی ایسے کہ مایہ نازِ متکلمین حضرات کی روحیں، ہمارے متکلم اعظم کے مباحثِ علمیہ اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئی ہوں گی۔ استحالہِ کذب کے وہ دلائل اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں :۔

دلیل ۱ :۔ طوالع، شرح مقاصد، مسائرہ و مسامرہ و مفاتیح الغیب و مدارک و بیضاوی وارشاد العقل و روح البیان و شرح سنوسیہ، شرح ابہری و شرح عقائد جلالی و کنز الفوائد و مسلم الثبوت و شرح نظامی و فواتح الرحموت وغیرہا (جن کی عبارتیں تنزیہ اول میں نقل فرمائیں) کتب تفسیر واصول میں تعویل فرمائی کہ کذب عیب ہے اور ہر عیب باری عزوجل کے حق میں محال اھ۔ فی الواقع یہ کلیہ، اصولِ اسلام و قواعد کلام سے ایک اصل عظیم و قاعدہ جلیلہ ہے، جس پر تمام عقاید تنزیہ بلکہ مسائلِ صفات ثبوتیہ بھی متفرع ؏

(سبحان السبوح ص۱۴)

دلیل ۲ :۔ العظمۃ للہ، اگر کذبِ الٰہی ممکن ہو تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں کہ اٹھائے نہ اٹھیں۔ کافروں اور ملحدوں کو اعتراض و مقال و عناد و جدال کی وہ فضائیں ملیں کہ مٹائے نہ مٹیں۔ دلائلِ قرآنِ عظیم و وحی حکیم یکدست ہاتھ سے جائیں۔ حشر و نشر و حساب و کتاب و جنت و نار و ثواب و عذاب کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ پائیں کہ آخر ان امور پر ایمان صرف اخبارِ الٰہی سے ہے، جب معاذ اللہ کذب الٰہی ممکن ہو تو عقل کو ہر خبرِ الٰہی میں احتمال رہے گا کہ شاید یونہی فرمادی ہو، شاید ٹھیک نہ پڑے ؏

(سبحان السبوح ص۱۷)

دلیل ۳ :۔ اگر کذب خالق ممکن ہو تو کتنی بڑی شناعت ہے کہ خلق سچی اور خالق جھوٹا ؏

(سبحان السبوح ص۲۰)

دلیل ۴ :۔ جب اہلِ سنت کے نزدیک، اللہ عزوجل کا صدق ازلی تو کذب محال کہ ہر ازلی

ممتنع الزوال۔ (سبحان السبوح صنہ۲)

دلیل ۵:۔ "اگر باری عزوجل کذب سے متصف ہو سکے، تو اس کا کذب اگر ہوگا تو قدیم ہی ہوگا کہ اس کی کوئی صفت حادثہ نہیں اور جو قدیم ہے معدوم نہیں ہو سکتا، تو لازم کہ صدق الٰہی محال ہو جائے۔ حالانکہ یہ بالبداہتہ باطل تو کذب سے اتصاف ناممکن۔"

(سبحان السبوح صہ۲۱)

دلیل ۶:۔ کلام الٰہی ازل میں بایجاب کا جی حق تھا یا معاذاللہ اس کا بعض باطل یا نہ حق نہ باطل؟ شق ثانی تو کفر صریح، اور ثالث میں مطابقت و لا مطابقت دونوں کا ارتفاع اور رہ تشقگا محال۔" (سبحان السبوح صہ۲۲)

دلیل ۷:۔ امکانِ کذب اس کی فعلیت بلکہ دوام بلکہ ضرورت کو مستلزم کہ اگر کلامِ نفسی ازلی ابدی واجب الذات مستحیل التجدد کذب پر مشتمل نہ ہو تو کلام لفظی کا کذب ممکن نہیں ورنہ وجود دال بلا مدلول یا کذب دال مع صدق المدلول لازم آئے اور دونوں بالبداہتہ محال اور جب کلام لفظی میں کذب ممکن نہ ہو تو نفسی میں بھی ممکن نہیں ورنہ باری عزوجل کا عجز عن التعبیر لازم آئے تو لاجرم امکانِ کذب ماننے والا اپنے رب کو واقعی کاذب ماننا اور اس کے کلام نفسی میں کذب موجود بالفعل جانتا ہے۔"

(سبحان السبوح صہ۲۴)

دلیل ۸:۔ "صدق الٰہی صفت قائمہ بذاتِ کریم ہے ورنہ مخلوق ہوگا کہ ذات و صفات کے سوا سب مخلوق، اور ہر مخلوق عدم سے مسبوق، تو لازم کہ غیر متناہی دورِ ازل میں اللہ تعالےٰ سچا نہ ہو۔" (سبحان السبوح صہ۲۵)

دلیل ۹:۔ ہم زیر دلیل چہارم و ششم بدلائل ثابت کر آئے کہ صدق صفت قائمہ بالذات ہے تو کذب بھی اگر ممکن ہو، صفت ہی ہو کر ممکن ہوگا۔۔۔۔ اب مخالف۔۔۔۔۔ استحالات دیکھے۔ اولاً لازم کہ کذب الٰہی موجود بالفعل ہو کہ صفاتِ باری میں کوئی

صفت منتظر غیر واقعہ ماننا باطل ورنہ تاثر بالغیر یا تخلف مقتضیٰ یا تاخر اقتضاء یا حدوث مقتضیٰ لازم آئے۔ تعالیٰ عنہ علواً کبیراً۔"

نوٹ :۔ دلیل ۹ تا ۲۲ استحالے ہیں جو بجائے خود مستقل دلائل ہیں۔

دلیل ۱۰ :۔ " واجب کہ کذب واجب ہو کہ صفات الٰہیہ سب واجب للذات ہیں۔"

دلیل ۱۱ :۔ " صدق الٰہی محال ٹھہرے کہ وجوب کذب امتناع صدق ہے۔

دلیل ۱۲ :۔ " کذب صفت کمال ہو کہ صفاتِ باری سب صفاتِ کمال (ہیں)

دلیل ۱۳ :۔ " صدق صفت نقصان ہو کہ وہ عدم کذب کو مستلزم اور سلب عدم کذب عدم کمال اور عدم کمال عین نقصان۔"

دلیل ۱۴، ۱۵، ۱۶ :۔ " صدق کلی و کذب جزئی جب دونوں صفت اور دونوں ممکن تو دونوں واجب تو دونوں محال تو اجتماع نقیضین وارتفاع نقیضین واجتماع و ارتفاع سب حاصل۔"

دلیل ۱۷، ۱۸، ۱۹ :۔ " بعینہٖ اسی طریقے سے دونوں کمال تو دونوں نقصان تو دونوں مجمع کمال ونقصان۔"

دلیل ۲۰، ۲۱، ۲۲ :۔ " جب دونوں صفت تو دونوں مقتضیٰ تو دونوں منافی تو دونوں جامع اقتضاء و تنافی۔"

دلیل ۲۳ :۔ " جب دونوں مقتضیٰ تو وجوب ذات مستلزم اجتماع نقیضین اور جس کا وجود مستلزم محال ہو (وہ) خود محال تو بر تقدیر امکان، کذب وجودِ باری معاذ اللہ محال ٹھہرتا ہے۔"

دلیل ۲۴ :۔ اگر کذب کو عیب و منقصت نہ مانیے تو اتنا تو بالضرورۃ ضرور کہ کوئی کمال نہیں، ورنہ مولیٰ تعالیٰ کے لیے واجب الثبوت ہوتا، اول عقل سلیم شاہد کہ باری عزوجل کے لیے ایسی شے کا ثبوت بھی محال جو کمال سے خالی ہو اگرچہ نقص نہ ہو۔"

دلیل ۲۵:۔ "بداہت عقل شاہد عدل کہ جو مطلق کذب پر قادر ہوگا، کذب مطلق پر بھی قدرت رکھے گا کہ بعض کلام میں کذب پر قادر اور بعض میں اس سے عاجز ہونے کے کوئی معنی نہیں۔"

دلیل ۲۶:۔ "جب برتقدیر امکان کذب بوجہ بطلان ترجیح بلا مرجح ونیز بحکم بداہت غیر مکذوبہ ہر فرد کذب قدرت الٰہی میں ہوا تو ہر فرد صدق مقدور ہوگا، ورنہ صدق فی البعض واجب یا محال ہوگا تو کذب فی البعض محال یا واجب، حالانکہ ہر فرد کذب مقدور مانا تھا، ہذا خلف، پس صدق وکذب کا ہر فرد مقدور ہوا اور ہر مقدور حادث، تو کلام الٰہی سے ازل میں مطابقت ولا یقت دونوں مرتفع اور یہ بداہتہً محال۔"

دلیل ۲۷:۔ "بہت خوش نصیب، ذی عقل لبیب، صرف جمال جہاں آرائے حضور پُر نور سرور اکرم مولائے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھ کر ایمان لائے کہ "لیس ھذا وجہ الکذابین" یہ منہ جھوٹ بولنے کا نہیں۔ اے شخص! یہ اس کے حبیب کا پیارا منہ تھا، جس پر خوبی وبہار دو عالم نثار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور پاکی وقدوسی ہے اس کے وجہ کریم کے لیے، واللہ اگر آج حجاب اٹھائیں تو ابھی کھلتا ہے کہ اس وجہ کریم پر امکان کذب کی تہمت کس قدر جھوٹی تھی، مخالف اسے دلیل خطابی کہے (تو) کہے، مگر میں اسے حجت ایقانی لقب دیتا اور مسلمانوں کی بداہت ایمانی سے انصاف لیتا اور اپنے رب کے پاس اس دن کے لیے ودیعت رکھتا ہوں، یوم ینفع الصدقین صدقھم، یوم لا ینفع مال ولا بنون ۰ الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔" (سبحان السبوح ص۲۷)

دلیل ۲۸:۔ قال اللہ عزوجل۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔ اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔۔۔۔۔ آیہ کریمہ نص جلی کہ کذب الٰہی محال عقلی ہے۔۔۔۔۔ جب یہ امر ممہد ہولیا تو آیہ کریمہ کا مفاد یہ قرار پایا کہ اللہ عزوجل کی بات ہر بات سے

زیادہ احتمالِ کذب سے زیادہ پاک و منزہ ہے۔ کوئی خبر اور کسی کی خبر اس امر میں اس کے مساوی نہیں ہو سکتی۔" (سبحان السبوح ص۲۷، ص۲۹)

دلیل ۲۹: قال المولیٰ سبحانہ و تعالیٰ: قل ای شیءٍ اکبر شہادۃ ط قل اللہ ...... اللہ کے لیے حمد و منت کہ یہ آیۂ کریمہ آیۂ سابقہ سے بھی جلی و اظہر اور افادہ مراد میں اجلیٰ و ازہر، وہاں ظاہر نظم نفی اصدقیت غیر تھا اور اثبات اصدقیت کلام اللہ بحوالہ عرف، یہاں صراحتہ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کی گواہی سب گواہیوں سے اکبر و اعظم و اعلیٰ ہے۔ اب اگر معاذ اللہ امکانِ کذب کو دخل دیجیے تو ہرگز شہادت الٰہی کو شہادتِ اہل تواتر پر تفوق نہیں کہ جو یقین اس سے ملے گا اس سے بھی مہیا اور جو احتمال اس میں باقی اُس میں بھی پیدا۔ تو قرآن پر ایمان لانے والے کو یہی چارہ کہ مذہب مہذب اہل سنت کی طرف رجوع کرے اور جناب عزت کے امکانِ کذب سے برات پر ایمان لائے۔" (سبحان السبوح ص۳۰)

دلیل ۳۰: و تمت کلمۃ ربک صدقا و عدلا ط لا مبدل لکلمتہ ط وھو السمیع العلیم ہ ..... علماء فرماتے ہیں کہ باری عزوجل کا کلام انتہا درجہ صدق و عدل پر ہے، جس کا مثل ان امور میں متصور نہیں (آگے صدق کے سات درجے بیان فرمائے، آخری دو ملاحظہ ہوں۔)

چھٹا درجہ: "معصوم من اللہ و موید المعجزات ہو کہ کذب کا امکان وقوعی بھی نہ رہے مگر بنظر نفس ذات امکان ذاتی ہو۔ یہ رتبہ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین کا ہے۔

ساتواں درجہ: "کذب کا امکان ذاتی بھی نہ ہو بلکہ اس کی عظمت جلیلہ و جلالت عظیمہ بالذات کذب و غلط کی نافی و منافی ہو اور اس کی ساحت عزت کے گرد اس گرد و نوث کا گزر محال عقلی، یہ نہایت درجات صدق ہے جس سے ما فوق متصور

نہیں"۔ (سبحان السبوح ص۳۰، ص۳۲)

مذکورہ دلائل کو شرح عقائد نسفی، شرح سنوسیہ، شرح مواقف، تفسیر کبیر، کتاب الارشاد، مواقف، شرح مقاصد، تفسیر ارشاد العقل، تلویح اور بیضاوی وغیرہ کی ظاہر عبارتوں سے رنگ ثبوت دیا اور پھر امکانِ کذب ماننے والوں کو تنزیہ سوم کے شروع میں یوں فہمائش کی:۔

"ابھی سویرا ہے، ہوش سنبھالو، آنکھیں مل ڈالو کہ اس جھکی اندھیری میں کس کے پیچھے ہو، جس نے نہ صرف ایک مسئلہ امکان کذب باری بلکہ خارج، روافض، معتزلہ، مرجیہ، ظاہریہ، کرامیہ وغیرہم طوائف ضالہ کی بدعات شنیعہ اور ان کے علاوہ صدہا ضلالات قبیحہ قطعیہ کی خندقیں جھنکائیں، اور تمہیں ان قہر ڈھو کر دیں، تم لغزشوں کی خبر تک نہ ہوئی، چشم فلک میں وہ بلا کی نیندیں جھک آئیں اور پھر گمان یہ کہ اس بھیڑ راہ کا ہدایت مآل، ہیہات ہیہات کہاں ہدایت اور کہاں یہ چال؟" (سبحان السبوح ص۳۴)

اسی تنزیہ سوم میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی مصنف "یکروزی" کے رد کی طرف توجہ ہوئے، صاحب یکروزی نے اہلِ سنت وجماعت کے مسلک کو ٹھکراتے ہوئے، توحید و رسالت جیسے بنیادی عقائد کی حدود کو مٹانے بلکہ پوری شریعتِ محمدیہ کو باطل ٹھہرانے کی غرض سے، امکانِ نظیر کے ثبوت سے عاجز ہو کر امکانِ کذب کے غیر اسلامی نظریہ کی علمبرداری کی تھی جو حضرات، مصنف یکروزی کو اپنا امام اور پیشوا مانتے ہیں۔ اعلیحضرت قدس سرہٗ نے ان کے متعلق فرمایا:۔

"ان ہمارے عنایت فرما مخالفین ھداھم اللہ تعالیٰ الی الحق المبین کا معاملہ سخت نازک مجملہ براہ سادگی ایک شخص کو امام بنا لیا اور پیش خویش آسمانِ بریں پر اٹھا کر رکھ دیا اب اس کے خلاف کسی کی بات قبول ہونی تو

بڑی بات، کان تک آئی اور طبیعت نے آگ لی، آہٹ ہوئی اور غصہ نے باگ لی، سننے سے پہلے ہی ٹھہرا لیا کہ ہرگز نہ سنیں گے، بگڑنے کی قسم کہ بنائے نہ بنیں گے۔ ان ہٹوں کا پاس ہدایت سے یاس دلا رہا ہے مگر پھر بھی اظہارِ حق کے بغیر چارہ کیا ہے؟ ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ ست با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

"کاش خدا اتنی توفیق دے کہ اک ذرا دیر کے لیے تعصب و نفسانیت کو پانِ رخصت ملے، قائل امام طریق ہے، معترض خصم فریق، ان حیثیتوں کے حساب سے نظر بچ کر چلے، پھر گوشِ ہوش کو اجازت شنیدن ہو، پھر میزانِ خرد کو حکم سنجیدن، اب اگر قول خصم قابل قبول ہو تو حق سے کیوں ناحق عدول ہو ورنہ پھر وہی تم وہی تمہارے امام، جو بادہ آج بکام ہے کل بھی درجام، ان چند ساعت میں کچھ نہ بنتے بگڑے، نہ رنگِ امامت جما ہوا اکھڑے۔۔۔۔۔۔ جانِ برادر! یقین جان، تعصب باطل و اصرار عاطل کا وبال شدید ہے، آج نہ کھلا تو کل کیا بعید ہے؟ (سبحان السبوح ص۲۳)

امکانِ کذب کے اثبات میں مصنف یکروزی کا پہلا دعویٰ یہ ہے:۔

"اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرتِ الٰہیہ داخل نیست، پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع و القائے آں بر ملائکہ و انبیاء خارج از قدرتِ الٰہیہ نیست و الا لازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع و القائے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی است کذب مذکور را منافی حکمت او ست پس ممتنع بالغیر ست!!"
(یکروزی ص۱۷)

اس دعویٰ کو ہمارے متکلم اعظم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصانیف علمائے اہلسنت کی روشنی میں مسلک اہل سنت کے صریح خلاف اور باری تعالیٰ شانہ کی شانِ ارفع واقدس میں زبردست گستاخی ثابت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"علمائے دہلی کا خدائے موہوم، کہاں کہاں آدمی کی حرص کرے گا؟ آدمی کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے، پاخانہ پھرتا ہے اور پیشاب کرتا ہے، آدمی قادر ہے کہ جس چیز کو دیکھنا نہ چاہے آنکھیں بند کرلے، سننا نہ چاہے کانوں میں انگلیاں دے لے، آدمی قادر ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈبو دے، آگ سے جلالے، خاک پہ لیٹے، کانٹوں پر لیٹے، رافضی ہو جائے، وہابی بن جائے گر علمائے ملوم کا موائے موہوم یہ سب باتیں اپنے لیے کر سکتا ہوگا ورنہ عاجز ٹھہرے گا، اور کمال قدرت میں آدمی سے گھٹ رہے گا، اقوال غرض خدائی سے ہر طرح ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، نہ کرسکا تو حضرت کے زعم میں عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں۔ کرسکا تو ناقص ہوا، ناقص خدا نہیں۔۔۔۔ تو شمس وامس کی طرح اظہر و ازہر کہ دہلوی بہادر کا یہ قول ابتر حقیقۃً انکارِ خدا کی طرف منجر

ماقدروا اللہ حق قدرہ واعیاذ باللہ من اضلال الشیاطین

گر سبحان ربنا، ہمارا سچا خدا سب عیبوں سے پاک اور قدرت علی المحال کی تہمت سراپا ضلال سے کمال منزہ" (سبحان السبوح ص۴۰)

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی مصنف رسالہ یکروزی کا دوسرا دعویٰ یہ ہے:۔

"عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ، می شمارند و اُو را جل شانہ، بآں مدح می کنند بخلاف اخرس و جماد کہ ایشاں را کسے بعدم کذب مدح نمی کند پر ظاہر کہ صفت کمال ہمیں است کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام کاذب می دارد بنا بر رعایت مصلحت و مقتضیٰ حکمت بتنزہ از شوب کذب تکلم بکلام کاذب

می دارد...... یا مدح آں بسیار ادون ست از مدح اول"
(دیکھو زی صہ۱ مطبوعہ ملتان)

اس طول طویل عبارت کا خلاصہ، اعلیحضرت قدس سرہٗ نے عام فہم اردو میں یوں پیش کیا تاکہ عبارت مذکورہ کے زہریلے جراثیم کو اُردو جاننے والے حضرات بھی دیکھ سکیں۔

"عدم کذب اللہ تعالیٰ کے کمالات وصفاتِ مدائح سے ہے اور صفتِ کمال وقابلِ مدح یہی ہے کہ متکلم باوجود قدرت بلحاظ مصلحت، عیبِ آلائش سے بچنے کو باز رہے، نہ کہ کذب پر قدرت ہی نہ رکھے، گونگے یا پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، تو لازم کہ کذبِ الٰہی مقدور وممکن ہو"
(سبحان السبوح صہ۲۴)

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کے ان دونوں دعاوی کا ہمارے عبقریٔ اسلام اور متکلم اعظم نے دلائلِ قاہرہ وابحاث باہرہ سے وہ بے نظیر رد فرمایا اور اصول وکلام کی کتابوں کی روشنی میں ایسی چالیس حجتیں (بنام تازیانے) قائم کیں کہ دہلوی صاحب موصوف کا کوئی حمایتی مناظر آج تک ایک حجت کو بھی غلط ثابت نہیں کرسکا، حالانکہ آج تراسی سال ہوگئے اور نہ ہی کوئی قیامت تک غلط ثابت کرسکتا ہے۔ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی۔

مذکورہ ابحاث کے دوران اعلیحضرت نے کذب جیسے محالات پر باری تعالیٰ شانہٗ کو قادر ماننے کی قباحت سمجھائی:۔

"واہ بہادر! کیا نیم گردش چشم میں تمام عقاید تنزیہ وتقدیس کی جڑ کاٹ گیا، عاجز، جاہل، احمق، کاہل، اندھا، بہرا، گونگا سب کچھ ہونا ممکن ٹھہرا، کھانا پینا، پاخانہ پھرنا، پیشاب کرنا، بیمار پڑنا، بچہ جننا، اُونگھنا، سونا بلکہ مرجانا، مرکے پھر پیدا ہونا، سب جائز ہوگیا۔ غرض اصول اسلام کے ہزاروں عقیدے

جن پر مسلمانوں کے ہاتھ میں یہی دلیل تھی کہ مولیٰ عزوجل پر نقص وعیب محال بالذات ہیں، دفعتہً سب باطل اور بے دلیل ہو کر رہ گئے۔"

(سبحان السبوح ص۴۲)

اس تنزیہ سوم کے دلائل اتنے بلند پایہ اور تمام کتب اصول وکلام کے مباحث تقدیس وتنزیہ باری تعالیٰ کی روشنی میں ایسے محققانہ انداز پر بیان ہوئے ہیں کہ سبحان السبوح کے مصنف پر علامہ سعد الدین تفتازانی اور امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہما کا گمان ہوتا ہے دیگر علمائے اہلِ سنت نے بھی اس باطل عقیدے کی تردید میں کتابیں لکھیں اور اپنا فرض ادا کیا لیکن دہلوی صاحب کے دوسرے دعویٰ کے رد میں، سبحان السبوح کی تنزیہ سوم کے مباحث تمام انہوں نے صرف اعلیحضرت قدس سرہ کے حصے میں ہی لکھ دیے تھے۔

براہین قاطعہ میں مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی نے مصنف رسالہ یکروزی کے اتباع میں، امکانِ کذب کے باطل نظریے کو دوبارہ زندہ کیا اور خلف وعید کو امکانِ کذب کی نوع لکھ دیا۔ اس اعتزال پسند اور خلاف اہلِ سنت کتاب پر مصنف کے استاد، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے تقریظ لکھی اور اس کے مباحث ودلائل کے حرف بحرف صحیح ومسلم ہونے کی تصریح کی بلکہ امام اہلِ سنت قدس سرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس کتاب کے حقیقی مصنف خود مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں جیسا کہ طرزِ تحریر سے ظاہر ہے لیکن محاسبہ سے بچنے کی خاطر اپنے شاگرد کے نام سے شائع کرا دی تھی۔

اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے "سبحان السبوح" کی تنزیہ چہارم میں، خلف وعید کو امکانِ کذب کی نوع بتانے والوں کی تصانیف اشاعرہ وماتریدیہ کی روشنی میں تردید فرمائی۔ اکیس دلائل سے ثابت کیا کہ خلفِ وعید کو امکانِ کذب سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ یہ عین جود وکرم ہے۔ اس مدعا کو شرح مقاصد، مواقف، شرح طوالع، شرح عقاید، مسلم الثبوت، فواتح الرحموت تفسیر بیضاوی یعنی انوار التنزیل، تفسیر عمادی، ارشاد العقل السلیم، تفسیر حقی یعنی روح البیان،

ردالمحتار، حاشیہ شرح عقاید للخیالی، حلیہ شرح منیہ، تفسیر کبیر، شرح عقاید نفسی، شرح فقہ اکبر، مختصر العقاید۔ کتاب الشفاء اور نسیم الریاض وغیرہ کی اصل عبارتوں سے ثابت کیا اور فرمایا:۔

"اگرچہ علماء مسئلہ خلف میں بلفظ جواز تعبیر کر رہے ہیں، مگر عقل صافی و نظر والی نصیب ہو تو کھل جائے کہ وہ جس معنی پر خلف جائز کہتے ہیں، اس معنی پر نہ صرف جائز بلکہ بالیقین واقع مانتے ہیں تو تمہارے زعم۔۔۔ پر قطعاً لازم کہ ائمہ دین کذبِ الٰہی کو یقیناً وہ موجود بالفعل جانتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کفر جلی اور کیا ہوگا"

(سبحان السبوح صہ۸۳)

دلائل کے ساتھ واضح فرمایا کہ علمائے اہلِ سنت نے کن معنوں میں خلف وعید کو جائز ٹھہرایا اور کن معنوں میں محققین نے اس کا انکار فرمایا ہے نیز ثابت کیا کہ خلف بمعنی تبدیل کلام کے استحالہ پر اجماع قطعی قائم ہے جس کا فی زمانہ کوئی خارجی المذہب ہی انکار کر سکتا ہے۔ چنانچہ براہین قاطعہ کی عبارت رد چنانچہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں۔ کا رد کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جب خلف بمعنی تبدیل کے استحالہ پر اجماع قطعی قائم اور بمعنی مساوی عفو بالاجماع جائز بلکہ واقع تو علمائے مجوزین و محققین مانعین میں نزاع کس امر پر رہے"

(سبحان السبوح صہ۸۵)

غرض خلف وعید سے امکانِ کذب ثابت کرنے والوں کے سب راستے بند کر کے راہ ہدایت کے اس نیر تاباں نے، سچے اور بے عیب خدا کو جھوٹا بتانے والوں کے ہر گھٹا ٹوپ اندھیرے کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔ امکانِ کذب کا گیت گانے والوں کو دلائل سے خاموش کیا اور ثابت کر دکھایا کہ اس باطل نظریے کے علمبردار، ہنوز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی و مفہوم سے بے خبر ہیں یا خبردار ہیں تو تنزیہ و تقدیس بلکہ توحید و وجود باری تعالیٰ جیسے بنیادی عقاید و نظریات کو جان بوجھ کر نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں لیکن دورِ حاضر کے علمبردارِ توحید و

رسالت کے سامنے مکذبین باری تعالیٰ کا جوش و خروش بلبلے کی طرح مٹ گیا۔ اس حقیقت کو اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

"مدعی جدید (گنگوہی صاحب) کی حالت نہایت قابلِ رحم، غریب نے امام الطائفہ کی بات بنانے کو عقل و دیانت کو پان رخصت دیا، اپنے رب کو جیسے بنے لائق کذب کر دینے کا ذمہ لیا۔ ائمہ اُمت و سادات ملت پر کھلی آنکھوں جیتا بہتان کیا، غرض لاکھ جتن کر چھوڑے مگر کال نہ کٹا، یعنی امام کی پیشانی سے داغ ضلالت ٹنا تھا نہ مٹا" (سبحان السبوح صہ ۸۹)

دہلوی اور گنگوہی صاحبان کے اقوال، در بارۂ امکانِ کذب پر دو سو تازیانے یعنی قاہر اعتراضات از روئے شرح وارد کیے، لیکن تنزیہ و تقدیس باری تعالیٰ سے جلنے والا کوئی خارجی مناظر اپنے مذکورہ بزرگوں کا آنا بھی حق آباع ادا نہ کر سکا کہ آج تک ان میں سے دو چار کی گنتی ہی گھٹا سکتا۔

آخر میں اس خیر خواہ اسلام و مسلمین کی ایمان افروز کفر سوز التماس ایت اساس کے چند جملے پیش کر کے اس موضوع کو یہیں ختم کرتا اور برادرانِ اسلام سے "سبحان السبوح" کتاب کے پڑھنے کی اپیل کرتا ہوں۔

"مانو تو ایک سہل تدبیر تمہیں بتاؤں، میرا رسالہ تنہائی میں بیٹھ کر بغور دیکھو، ان دو سو دلائل و اعتراضات کو ایک ایک کر کے انصاف سے پرکھو، فرض کرو کہ دو سو میں استحالہ کذب الٰہی پر صرف ایک دلیل اور تمہارے خیال اور تمہارے امام کے ...... ما قوال پر فقط ایک ایک اعتراض تا طبع ہر قیل و قال باقی رہ گیا، باقی سب سے تم نے جواب دے لیا، تو جانِ برادر! احقاقِ حق کو ایک دلیل کافی، ابطالِ باطل کو ایک اعتراض وافی، نہ کہ دلائل باہرہ اعتراضات قاہرہ صد ہا سو اور ایک نہ گنو، دل میں جانتے جاؤ کہ دلائل باصواب اور اعتراضات

لاجواب، اگر ماننے کی قسم، توبہ کی آن، بلکہ اُلٹے تائیدِ باطل کی فکر سامان یہ تو
حق پرستی نہ ہوئی بادپرستی ہوئی، نشۂ تعصب میں سیاہ مستی ہوئی پھر قیامت
تو نہ آئے گی؟ حساب تو نہ ہوگا؟ خدا کے حضور سوال وجواب تو نہ ہوگا؟ اے
رب میرے، ہدایت فرما اور ان لجیلی آنکھوں کو کچھ تو شرما ے

می توانی کہ دہی اشک سرا حسن قبول[1]
اے کہ در ساختہ قطرۂ بارانی را" (سبوح السبوح ص۱۰۵)

علمائے دیوبند سے ہماری گزارش ہے کہ اپنی بھلائی کی خاطر اپنے جملہ غیر اسلامی
عقاید پر نظر ثانی فرمائیں۔ اس ضد اور تعصب سے آپ حضرات کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ
رہے بلکہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں لہٰذا اپنی اور اپنے متبعین کی عاقبت سنوارنے
کی خاطر غیر اسلامی عقاید ونظریات کو ترک کر کے انہیں اسلامی انداز پر اپنا لیا جائے، جس سے
وہ عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفوی کے خلاف نہ رہیں۔ ایسا کرنے سے آپ کی ظاہری
عزت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی بلکہ ہر عاقل کے نزدیک یہ دانشمندانہ اقدام ہوگا ے

یار کا پاسِ نزاکت دلِ ناشاد رہے
نالہ رکتا ہوا، تھمتی ہوئی فریاد رہے

---

[1] دیوبندیوں نے ایک جھوٹی روایت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ کی طرف منسوب کی اور
دیوبندیوں سے مرعوب اور احساس کمتری کا شکار لوگوں نے اسے بڑے معرکے کا حوالہ قرار دیا وہ یہ کہ
مولانا گنگوہی فنا فی اللہ اور مولانا احمد رضا فنا فی الرسول ہیں۔ گنگوہی صاحب کسی کی بات شان الہٰی سے
فروتر سمجھتے ہیں تو سخت گرفت کرتے ہیں مولانا احمد رضا مقام رسالت کے شایانِ شان کوئی بات نہ
پاتے تو بے چین ہو جاتے تھے۔ (ملخصاً) اس من گھڑت روایت کی مفصل ومکمل تردید کسی دوسرے
مقام پر کی جائے گی۔ یہاں ان افترا پردازوں سے یہ دریافت کرنا ہے کہ خدا پر جھوٹ کا بہتان
باندھنا کیا شان الہٰی سے فروتر نہیں؟ (محمد عارف رضوی)

یہ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے بعض اکابر نے شانِ رسالت میں بعض بہت ہی ناجائز اور انتہائی گستاخانہ الفاظ بھی اپنی تصانیف میں لکھے ہیں حالانکہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسے الفاظ لکھنے کی، کسی بڑے سے بڑے اعلانیہ مخالف کو بھی جراءت نہ ہو سکی۔ مانا کہ آپ زورِ زبان و بیان سے، ناجائز تاویلات کر کے اپنے متبعین کو مطمئن کر لیا کرتے ہیں لیکن جب باری تعالیٰ شانہٗ کے سامنے پیش ہو گی، کیا اُس وقت یہ حربہ کارگر ہو سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا ایسے تمام گستاخانہ کلمات کو اُن تصانیف سے خارج کر دینے میں دارین کی بھلائی ہے ورنہ ؎

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا!

۷

فقیہہ کا مقام

قرآن وحدیث کی تعلیمات کے نچوڑ کا نام فقہ ہے۔ فقہ پر اسی کو عبور حاصل ہو سکتا ہے جو تمام اسلامی علوم سے بہرہ مند ہو۔ اگر ایک عالم دین اعلیٰ درجے کا مفسر یا محدث ہے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ بلند پایہ فقیہہ بھی ہو لیکن اس کے برعکس جو بلند پایہ اور وسیع النظر فقیہہ ہے وہ لازمی طور پر بہترین مفسر، اعلیٰ درجے کا محدث اور لاجواب متکلم بھی ہو گا۔

اماموں اور فقیہوں کے سردار سراج امتِ مصطفوی، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم فقہی مقام سے کون منکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمیت کو جملہ ماہرین علوم وفنون یعنی علمائے اُمت وساداتِ ملت نے سراہا اور آپ کے تاجِ فضیلت کی گواہی دی ہے مثلاً:۔

۱۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ الناس کلھم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ"
یعنی تمام لوگ فقہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بال بچے ہیں"
(صَدَقْتَ یَاسَیِّدِیْ)

۲۔ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔" من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بھا انہ اول من دون علم الشریعۃ ورتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک ابن انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق ابا حنیفۃ احد" (تبلیض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ) یعنی امام ابو حنیفہ کے

اُن خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمِ شریعت کو مدون کیا اور اسے (ابواب پر) ترتیب دی۔ پھر امام مالک بن انس (رحمۃ اللہ علیہ) نے موطا کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی۔ اس میدان میں ابو حنیفہ سے سبقت لے جانے والا کوئی نہیں۔

۳۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "سبحان اللہ ھو من العلم والورع والزھد وایثار الدار الاخرۃ بمحل لا یدرکہ احد" (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی)

سبحان اللہ! وہ (امام اعظم) تو علم، ورع اور عالم آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام پر ہیں جہاں کسی کی رسائی نہیں۔

۴۔ امام سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: "ما مقلت عینی مثل ابی حنیفۃ" (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی) میری آنکھ نے ابو حنیفہ کی مثل نہیں دیکھا۔

۵۔ جرح و تعدیل کے امام، یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت دی۔ "انہ واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ وعن رسولہ" (تاریخ امام طحاوی) بے شک خدا کی قسم، امام ابو حنیفہ اس امت میں خدا اور رسول سے جو کچھ وارد ہوا اُس کے (قرآن و حدیث کے) سب سے بڑے عالم ہیں۔

تمام فقہاء و مجتہدین کے بادشاہ، جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ اُن سرمایہ روزگار ہستیوں کے ہزاروں میں سے چند بیانات پیش کیے ہیں جو آج آسمان علم کے شمس و قمر ہیں۔ ان میں مفسر، محدث، فقیہہ، جرح و تعدیل کے امام اور عارف کامل وغیرہم سب شامل ہیں لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ فقیہہ اعظم ہیں اسی جامعیت کے پیش نظر سب ان کے مداح ہیں۔

آپ کے زمانہ سے لے کر آج تک اُمت محمدیہ کے اکثر مفسر، محدث، متکلم اور فقیہہ آپ کے ہی خوشہ چین اور مقلد ہیں اور بہت تھوڑے سے حضرات دیگر ائمہ ثلاثہ کے۔ یہ

مدلل وضاحت محض اس وجہ سے کی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ فقیہہ کا علمی مقام محض ایک مفسر یا محدث سے بہت بلند ہوتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی علمیت نیز علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف پر آپ کا عبور اور زبردست طرزِ استدلال کی ہلکی سی جھلک، ان کی صرف چھ تصانیف کی روشنی میں دکھائی ہے۔ ان کے علاوہ اُن کی سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں فتوے اس امر پر شاہد عادل ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جو فقہی مقام، حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا تھا کوئی معاصر آپ کا اس میدان میں مدِمقابل نہیں، نہ اس ملک میں نہ بیرونِ ملک۔

جن چھ کتب کا اجمالی خاکہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے اُن میں سے حیات الموات، منیر العین اور حاجز البحرین سے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر فی الحدیث کا بخوبی پتہ لگ جاتا ہے۔ حیات الموات کے ذریعے، منکرین سماع موتیٰ کی جہاں ہر ایک دلیل کا مسکت جواب دیا وہاں منیر العین کے ذریعے آپ نے احادیث کو ضعیف ہے ضعیف ہے کی رٹ لگا کر رد کرنے والوں کو بھی ہمیشہ کے لیے ساکت و صامت کر دیا۔

"حاجز البحرین" کو پڑھیے تو غیر مقلدوں کے شیخ الکل، میاں نذیر حسین صاحب دہلوی بھی اعلیٰحضرت کے سامنے یوں نظر آ رہے ہیں جیسے کوئی چڑیا باز کے پنجوں میں گرفتار ہو۔ "سبحان السبوح" سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے سب سے بڑے متکلم تھے۔

"حسن التعمم" میں جو مسئلہ تیمم کے متعلق، متقدمین و متاخرین فقہاء کے اکثر اقوال جمع کر کے فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے اُس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ فقہ میں آپ کی پرواز، نادر روزگار معاصرین کے فہم و ادراک سے بھی بلند و بالا تھی۔

مکہ مکرمہ کے ایک فاضل جلیل، عالم نبیل، محافظ کتب حرم سید اسمٰعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ علیہما نے مجدد ماتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ دیکھ کر فرمایا تھا۔ واللہ اقول والحق اقول انہ لو رأھا ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مولفہا من جملۃ الاصحاب" یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ اگر اس فتوے کو امام ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو یقیناً اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس مولف (اعلیٰحضرت) کو اپنے اصحاب (امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ) کے زمرے میں شامل فرماتے۔

ابھی تک ہم نے اس مقالے میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا تبحر، جو ان کی بعض تصانیف سے ظاہر و باہر ہے۔ دکھانے کی غرض سے اجمالی خاکہ پیش کیا ہے مگر بتوفیقہٖ تعالیٰ ہم اس سے آگے قدم بڑھانا چاہتے ہیں یعنی اب دکھانا یہ ہے کہ متقدمین و متاخرین فقہاء کے درمیان اعلیٰحضرت کا مقام کیا ہے؟ چونکہ یہ مقام بہت اہم اور نازک ہے۔ لہذا علمائے کرام سے درخواست ہے کہ جہاں احقر اپنی علمی بے مائیگی کے سبب ٹھوکر کھا جائے تو اصلاح فرما دیں۔ پہلے فقہ کی تعریف اور فقہاء کے درجے بیان کر دینا ضروری ہے۔

فقہ:۔ "العلم بالاحکام الشریعۃ المکتسبۃ من ادلتہا التفصیلۃ" (تنویر الابصار) یعنی احکامِ شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنے تفصیلی دلائل سے اخذ کیے گئے ہوں۔

اصولِ فقہ:۔ النظر فی ادلۃ الشریعۃ من حیث تؤخذ الاحکام والتکالیف" (مقدمہ ابن خلدون) یعنی دلائل شرعیہ میں اس طرح غور و خوض کرنا کہ اُن کے ذریعے احکام و تکالیف معلوم ہو سکیں۔

فقیہ:۔ "لیس الفقیہ الا المجتہد عندھم واطلاقہ علی المقلد الحافظ للمسائل مجاز" (رد المحتار جلد اول) یعنی اصولیین کے نزدیک فقیہ۔ مجتہد ہی ہے اور مسائل کے یاد کرنے والے مقلد پر فقیہ کا اطلاق مجازی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ

فقہائے کرام کے حسب ذیل چھ طبقے ہیں۔

۱۔ مجتہدین فی الشرع :۔

جو احکام شرعیہ کی روشنی میں اصول و قواعد مقرر فرماتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالے۔

۲۔ مجتہدین فی المذہب :۔

جو اصول و قواعد میں مجتہد فی المذہب کے تابع ہوتے ہیں لیکن استخراجِ مسائل کی اہلیت رکھنے کے سبب بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی کرجاتے ہیں جیسے امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۳۔ مجتہدین فی المسائل :۔

یہ اصول و فروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور کسی مسئلے میں امام کی مخالفت کے مجاز نہیں لیکن جس مسئلے کے متعلق امام کا فیصلہ نہ پایا جائے وہاں اپنے امام کے مقرر کردہ اصول و قواعد کے تحت اُس کا استخراج کرتے ہیں۔

۴۔ اصحابِ تخریج :۔

انہیں اصول اور اُس کے قواعد و ضوابط پر تو پورا عبور ہوتا ہے لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں ہوتی۔ اس لیے انہیں صرف مجمل قول کی تفصیل کا اختیار ہوتا ہے جیسے جصاص، ابوبکر رازی اور کرخی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۵۔ اصحابِ ترجیح :۔

یہ حضرات بھی ہر قسم کے دلائل پر گہری نظر رکھتے ہیں لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ بلحاظ قوت، دلائل کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے صاحب قدوری صاحب ہدایہ وغیرہ۔

۶۔ ممیزین :۔ یہ حضرات بھی اجتہاد کی قدرت بالکل نہیں رکھتے۔ ہاں جملہ اقسام

کے دلائل پر گہری نظر ہوتی ہے اور بلحاظ قوت وصحت کے، دلائل میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں جیسے صاحب کنز وصدر الشریعۃ وغیرہ۔

ان مذکورہ چھ طبقوں کے علاوہ باقی سب، مقلدین محض ہیں۔ اب ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ اعلیحضرت مجدد مائتہ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے، کس طبقے میں شامل ہیں یا مقلد محض؟ وباللہ التوفیق۔

⑧

کُتّا مثلِ خنزیر نجس عین ہے یا نہیں؟

بنارس سے مولوی عبدالحمید صاحب نے کتے کے نجس ہونے نہ ہونے کے بارے میں دلائل پیش کرتے ہوئے اعلیحضرت امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ سے تصفیہ طلب کیا۔ فقیہِ اعظم کا رہوار قلم ایسا حرکت میں آیا کہ میدانِ تحقیق میں سرپٹ دوڑتا ہی چلا گیا۔

نفس مسئلہ ابتداء میں یوں بیان فرمایا:۔ "فی الواقع ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ جانور (کتا) سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یعنی مذہب صحیح اصح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار ماخوذ للفتوی علی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد دوم مطبوعہ میرٹھ ص۴۹)

اس کے بعد بقدر کفایت، احادیث سے دعوی کو ثابت کرکے میدانِ فقہ میں قدم رکھتے ہیں۔ فقہائے قدیم وجدید کی تصانیف سے پچاس متون وشروح، فتاویٰ ومختصر کی عبارتیں نقل فرماتے ہیں۔ ان عبارتوں کا تو یہ مقالہ متحمل نہیں ہوسکتا۔ ہاں ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قدوری (۲) ہدایہ (۳) وقایہ (۴) نقایہ (۵) مختار (۶) کنز (۷) وافی (۸) اصلاح (۹) نور الایضاح (۱۰) ملتقی (۱۱) تنویر (۱۲) بحر الرائق (۱۳) غنیہ (۱۴) فتح اللہ المعین۔ (۱۵) کافی شرح وافی (۱۶) مستخلص الحقائق (۱۷) تبیین الحقائق (۱۸) مجمع الانہر (۱۹) جامع الرموز (۲۰) حاشیہ شرح مراقی (۲۱) حلیہ (۲۲) طحطاوی علی الدر (۲۳) تحفۃ الفقہاء (۲۴) محیط امام رضی الدین (۲۵) بدائع امام کاشانی (۲۶) غنیہ شرح منیہ (۲۷) صغیری (۲۸) تیسیر المقاصد۔

(۲۹) حاشیہ طحطاویہ علی الدر (۳۰) التجنیس والمزید (۳۱) بزازیہ (۳۲) جامع صغیر (۳۳) نصاب (۳۴) مجموعہ علامہ النقروی (۳۵) قنیہ (۳۶) طریقہ محمدیہ (۳۷) مجمع الفتاوی (۳۸) وجیز (۳۹) خلاصہ (۴۰) شرح ہدایہ علامہ کاکی (۴۱) نہایہ (۴۲) عقد الفوائد (۴۳) شرح طحاوی للامام اسبیجابی (۴۴) ذخیرہ (۴۵) توشیح شرح ہدایہ (۴۶) تجرید (۴۷) عمدۃ المفتی (۴۸) مرقاۃ (۴۹) منحۃ الخالق اور (۵۰) نہر الفائق۔

(سبحان اللہ!) اسی لیے:

حرم والوں نے ہو کر یک زبان، اعلان فرمایا
"علوم و معرفت میں آج کل سب سے سوا تم ہو" اختر

چونکہ اس مسئلے میں فقہا کے مابین اختلاف موجود ہے، لہٰذا فریق ثانی کی طرف توجہ فرمائی اور کشفِ حقائق و شرح دقائق کی غرض سے پہلے "سراج الوہاج" کی اُس عبارت سے کلام شروع کیا، جو اس میں ذخیرہ سے، اس بارے میں منقول ہوئی ہے، یعنی "ان جلد الکلب نجس وشعرہ طاھر وھو المختار" ــــ یہی رائے فقیہ ابو اللیث سمرقندی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ شرنبلالی، الدر ابو السعود اور نظم الدر میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں جو نظریہ ظاہر کیا، امام اہلسنت نے اُسے نقل کر کے پانچ وجوہ سے اُس پر بحث اور تنبیہ کی۔ پھر علامہ ابو السعید الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کر کے اُس پر بھی متعدد وجوہ سے بحث اور تنبیہ کی۔ بعدہٗ کتے کے نجس عین نہ ہونے کے دلائل کی سات وجوہ سے ترجیح ثابت کی۔

اولاً امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتا نجس عین نہیں بلکہ مثل سائر اسباع ہے۔ اور امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے تجنیس میں فرمایا ہے "الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفۃ علی کل حال"۔

ثانیاً طہارت ہی قول اکثر ہے اور قول اکثر کے متعلق ردالمحتار میں ہے "وقد صرحوا

بان العمل بما علیہ الاکثر" اھ

ثالثاً یہی موافقِ احکام قرآن وحدیث ہے۔

رابعاً یہی من حیث الدلیل اقویٰ بلکہ قولِ تنجیس پر دلیل اصلاً ظاہر نہیں۔ "وقد سمعت الغنیۃ لعدم الدلیل علی نجاسۃ العین" اھ

خامساً اگر دلائل میں تعارض بھی ہو تو ترجیح اصل کو ہے اور تمام اشیاء میں اصل طہارت ہے۔

سادساً تیسیر اسی میں ہے اور فرمانِ رسالت جانبِ تیسیر ہے یعنی "یسروا ولا تعسروا" (احمد، بخاری، مسلم، نسائی)

سابعاً قائلانِ تنجیس کے اقوال خود مضطرب ہیں۔

اضطرابِ قائلینِ تنجیس

۱۔ جس مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی کے مسائل الآسار میں ہے: "الصحیح من المذھب عندنا ان عین الکلب نجس" اسی کے باب الحدیث میں ہے "جلد الکلب یطھر عندنا بالدباغ خلافاً للحسن والشافعی لانا عینہ نجس عندھما ولکنا نقول الانتفاع بہ مباح حالۃ الاختیار فلو کان عینہ نجسۃ لما ابیح الانتفاع بہ" اور اسی کی کتاب الصید میں ہے: "بھذا یتبین انہ لیس بنجس العین"

۲۔ جس فتاویٰ ولوالجیہ میں مسئلہ تنجس ثوب بانتفاض کلب بیان کیا "قال فی البحر ولا یخفیٰ ان ھذا علی القول بنجاسۃ عینہ" اسی میں شائل تجنیس مسئلہ جواز صلاۃ مع قلادہ اسنان کلب بیان فرمایا "قال فی

البحر ولا یخفی ان ھذا اشکله علی القول بطھارۃ عینه۔"

۳۔ جس ایضاح میں عبارت مبسوط شیخ الاسلام فی روایۃ لا یطہر وھو الظاھر من المذھب" نقل کرکے خود اپنے متن اصلاح کے قول "الا الجلد الخنزیر والآدمی" پر اعتراض فرمایا "الحصر المذکور علی خلاف الظاھر" اسی کی کتاب البیوع میں فرمایا: صح بیع الکلب خلاف للشافعی لانه نجس العین عندہ لا عندنا لانه ینتفع به"

۴۔ جس درر وغرر میں وہ فرمایا تھا کہ "الکلب نجس العین" انہی کی بیوع میں ہے "صح بیع کل ذی ناب کالکلب لانه مال متقوم الا الخنزیر لانه نجس العین" اھ ملخصاً۔

۵۔ جس خزانۃ المفتین میں ہے "عینه نجس" اسی میں ہے "سنه لیس بنجس"

۶۔ جس خانیہ میں مسائل متقدمہ شعر دانتفاض فرمائے اور فرمایا "اذا مشی کلب علی الثلج یصیر الثلج نجساً وکذا الطین والردغۃ" اھ ملخصاً یہاں تک کہ حلیہ وغنیہ وبحرالرائق میں واقع ہوا "و اللفظ للبحر اختار قاضی خاں فی الفتاوی نجاسۃ عینه وفرع علیھا فروعاً" اسی خانیہ میں فرمایا "سنه غیر نجس" اور فرمایا "لو صلی وفی عنقه قلادۃ فیھا سن کلب او ذئب یجوز صلوته" اور فرمایا "ان کان فی کمه ثعلب او جرو کلب لا تجوز صلوته لان سورہ لا یجوز به التوضو" بلکہ صاف واضح فرمادیا کہ اس کی نجاست عین کے یہ معنی ہیں کہ اس کا مادی نجاسات ہیں۔ لہٰذا اس کا بدن غالباً ناپاک ہوتا ہے۔ حیث قال "ینزح کل الماء اذا وقع فیھا کلب او خنزیر مات اولم

یمت اصاب الماء فم الواقع اولم یصب اما الخنزیر فلان عینہ نجس والکلب کذٰلک ولھذا لو ابتل الکلب وانتفض فاصاب ثوبا اکثر من قدر الدرھم افسدہ لان ماوراء النجاسات وسائر السباع بمنزلۃ الکلب"۔ (اھ ملخصاً) اور اسی باب سے ہے عامہ کتب مذہب کا اتفاق کہ کلیہ "کل اھاب دبغ فقد طھر" سے سوا خنزیر کے کسی جانور کا استثنا نہیں فرماتے، فقیر کی نظر سے نہ گزرا کہ کسی کتاب میں یہاں "والکلب" بھی فرمایا ہو اگرچہ دوسری جگہ طہارت جلد کلب میں خلاف نقل کریں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۵۹)

۹

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

ے کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے

صحیح احادیث کے مطابق کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع ہے بے ادبی اور خلافِ سنت ہے لیکن بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، ایک دفعہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مروی ہے۔ علمائے کرام نے اس کی تاویلیں کرتے ہوئے مختلف جواب دیے ہیں جو یکجا کرنے پر آٹھ بنتے ہیں۔ اُن جوابات پر امام اہلِ سنت وجماعت اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح ملاحظہ ہو۔

جوابِ اوّل: امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اور ابن شاہین نے کتاب السنۃ میں کہا کہ حدیث اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ حدیث منسوخ ہے۔ امام عسقلانی اور علامہ عینی دونوں نے اس کا تعاقب کیا، وہ فرماتے ہیں: "الصواب انه غیر منسوخ زاد العینی لان کلا من عائشة وحذیفه رضی اللہ تعالیٰ عنهما اخبر بما شاهدهما"، امام اہلِ سنت نے اس تعاقب کا یوں جواب دیا" معلوم ان حدیث حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه لم یکن فی اٰخر عمرہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وقد رأته ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنها واطلعت علی افعاله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الی یوم لحق اللہ عزوجل وانما یؤخذ بالاخر فالاخر من افعاله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فکون کل اخبر بما شاهد

لا ینسخ النسخ اذا علمنا ان احدی الشاهدتین متاخرة مستمرة وا لحادی علی حکم النسخ ماصح من قوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ من الجفاء وقد کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابعد الناس عنہ"

جواب دوم: امام عبدالعظیم زکی الدین منذری نے اس کی یہ توجیہ کی "قال العینی قال المنذری لعلہ کانت فی السباطة نجاست رطبة وھی رخوة تخشی ان یتطایر علیہ قال العینی قیل فیہ نظر لان القائم اجدر بھذہ الخشیة من القاعد وقال الطحاوی لکون ذالک سھلا ینحدر فیہ البول فلا یرتد علی البائل" اھ

اس پر اعلیحضرت مجدد مأتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح ملاحظہ ہو " انما اتجہ ھذا علی المنذری لزیادة خشیة التطایر ولو قال کما قلت لسلم نقد تکون مجمع نجاسات رطبة لا یوجد معھا موضع جلوس ثم رأیت فی المرقاة قال قال السید جمال الدین قیل فعل ذالک لانہ لم یجد مکانا للقعود لامتلاء الموضع بالنجاسة" اھ فھذا ما ذکرت وھو الصواب فی الجواب۔

جواب سوم: یہ جواب علامہ ابہری نے یوں دیا: قال العینی قال بعضھم لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یجد مکانا للقعود لکون الطرف الذی یلیہ من السباطة عالیا مرتفعا اھ وقال القاری فی المرقاة قال الا بھری قیل کان مایقابلہ من السباطة ومن خلفہ منحدرا مستفلا لوجلس مستقبل السباطة سقط الی خلفہ ولوجلس مستدبرالھا بدا عورتہ للناس اھ۔ وقال بعد اسطر قیل فعل ذالک لانہ ان استدبر السباطة تبدوا لعورة للمارة وان استقبلھا خیف ان یقع علی ظھرہ

مع احتمال ارتداد البول الیہ" اھ

اس کی اصلاح امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں فرمائی **اقول اولاً** ۔ فی هذہ الزیادۃ ما علمت ان القائم اجدر بہ" **وثانیاً** ۔ لو کان ما یستقبلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منہا عالیاً مرتفعاً لم یکن ان یختارہ لہذا الارتداد البول ۔ فلعل ایل الصواب فیہ ما قال ابن حبان کما نقل عنہ فی فتح الباری انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یجد مکانا یصلح للقعود فقام لکون الطرف الذی یلیہ من السباطۃ کان عالیا فامن ان یرتد الیہ شیئ من بولہ ۔ اھ فجعل ما قام علیہ عالیا و ما یقابلہ منحدرا وجعلہ سبب الامن بن ارتداد البول فانقلب الامر علی من نقل عنہ الا بھری فجعل ما قام علیہ منحدرا ما یقابلہ عالیا وجعلہ سبب خوف السقوط فی القعود مع انہ کذلک فی القیام الا نادرا"

فان قلت ۔ ھذا یرد علی ابن حبان ایضا اذ لا یظہر فرق فی مثلہ بین القیام والقعود لان الصبب اذا کان بحیث لا یستقر علیہ القاعد فکذا القائم

اقول ۔ بلی قد تکون کہیأۃ مثلث لہ حرف دقیق یستقر علیہ القائم اذا وضع علیہ وسط قدمیہ لاعتدال الثقل فی الجانبین بخلاف القاعد فانہ لا مستقر علیہ الا لقدمیہ وساقیہ وثقل سائر جسمہ لا حامل لہ"

جواب چہارم ۔ ذکرہ القاری عن زین العرب عن حجۃ الاسلام قال العینی قال الشافعی لما سئلہ حفص الفرد عن الفائدۃ فی بولہ قائما العرب تستشفی لوجع الصلب بالبول قائما فتری انہ کان بہ اذ ذاک اھ

وفی فتح الباری روی عن الشافعی واحمد فذکر نحوہ قال العینی قلت یوضح ذالک حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ المذکور آنفا" اھ

اس جواب پر امام اہل سنت نے یوں قدح فرمائی: "لا ادری ما ھذا فاین فعل شیء الاستشفاء من مرض تصدا غیر مضطر الیہ من فعلہ مع عدم الاختیار لاجل الاضطرار"

جواب پنجم: زعم المازری فی کتاب العلم فعل ذالک لانہا حالۃ یؤمن فیہا خروج الحدث من السبیل الاٰخر بخلاف القعود ومنہ قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ البول قائما احصن للدبر"۔ اھ نقلہ فی العمدۃ زاد العسقلانی نفعل ذالک لکونہ قریبًا من الدیار" اھ اس جواب پر اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ناپسندیدگی ملاحظہ ہو۔ **اقول:** "وانا تستبشع مثل ھذہ التعلیلات فی افعالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقد عصمہ اللہ تعالیٰ من کل ما یستھجن"

جواب ششم: قال العینی تکلموا فی سبب بولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قائما فقال القاضی عیاض انما فعل لشغلہ بامور المسلمین فلعلہ طال علیہ المجلس حتی حصرہ البول ولم یکن التباعد کعادتہ واراد السباطۃ لدمثہا واقام حذیفۃ یسترہ عن الناس" اھ

اس جواب پر امام اہل سنت کا اعتراض اور پھر اصلاح ملاحظہ ہو۔ **اقول** "ای مساس لھذا بسببیۃ الفعل قائما انما ھو وجہ لترکہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الابعاد المعتاد لہ وفی ھذا ذکرہ فی فتح الباری فھذا یحتاج فی تسدیدہ الی ان یضم الیہ ما ذکرہ المازری والا بطل کما یحتاج ما ذکرہ المازری فی تاییدہ الی ان یضم الیہ ھذا کما فعل ابن حجر والا ضعف" (فتاوی رضویہ جلد دوم ص۱۳۳)

قارئین کے سامنے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علم حدیث میں وسعت نظر صحیح انداز فکر

اور تائیدِ ربانی کی ہلکی سی جھلک پیش کی ہے۔ مندرجہ بالا چند عبارتیں یہی کچھ دکھانے کی غرض سے نقل کی ہیں حالانکہ امام عسقلانی، علامہ عینی، امام عبدالعظیم زکی الدین منذری، علامہ ابہری اور مولانا علی قاری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہ مایۂ ناز اور سرمایۂ روزگار علمی ہستیاں ہیں جن پر اہلِ اسلام جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ لیکن ؎

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ
نقیرِ دل کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ

۱۰

قوانین العلماء

ایک شخص تیمم کرکے نماز پڑھ رہا ہے، نماز سے پہلے یا بعد میں دوسرے کے پانی پر مطلع ہوا۔ اس مسئلے میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالے کی طرح ڈالی جس کو "قوانین العلماء فی تیمم علم عند زید الماء" کے نام سے موسوم کیا۔ (۱۳۲۸ھ) اس میں علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف سے متعلقہ عبارتیں نقل کرکے، اُن کی آپس میں مطابقت اور مخالفت وغیرہ ظاہر کرکے ہر ایک پر مکمل بحث فرمائی اور صدہا ایسے امور کا اضافہ فرمایا، جن سے تمام مختصر اور مفصل فقہی کتابوں یعنی متون و شروح کا دامن خالی ہے۔

غرضیکہ فضل خدا و عطائے مصطفیٰ (جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے امام اہل سنت نے میدانِ تحقیق میں وہ بے نظیر کمال دکھایا ہے کہ ایسے چھوٹے سے مسئلہ پر اتنا جامع اور مکمل و مدلل بیان، چشم فلک نے آج تک نہ دیکھا ہوگا ؎

مزین جس سے ہے تاجِ فضیلت، تاج والوں کی
وہ لعلِ پُر ضیا تم ہو، وہ دُرِّ بے بہا تم ہو

اس مسئلہ کے بارے میں فقہاء کے نظریات کی جو نشان دہی فرمائی گئی، اس کا بیان ضروری نظر آتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص تیمم کرکے نماز پڑھ رہا ہے دوسرے کے پاس پانی ہے اس کے متعلق علمائے کرام نے کیا حکم دیا ہے؟ چنانچہ کافی، خانیہ، خزانۃ المفتین، نہایہ چلپی، خزانہ اور برجندی میں ہے: "لا یجوز التیمم قبل الطلب"، خواہ امید نہ تھی یا بعد نماز طلب کا جواب نفی میں ملا، کسی صورت کا استثنیٰ نہیں کیا۔

علاوہ بریں امام صفا، قدوری، ہدایہ، تبیین، منیہ، غنیہ اور ہروی علی الکنز میں ہے :۔ صلی بالتیمم قبل الطلب لا یجزیہ " یہ اس سے بھی صریح تر بیان ہوا، اسی طرح، مبسوط، شرح وقایہ اور جواہر اخلاطی وغیرہ میں ہے " ان لم یطلب وصلی لم یجز و لفظ الجواھر شرع فی الصلوٰۃ قبل الطلب لا یجوز " یعنی پانی مانگے بغیر پڑھ لی تو نماز نہ ہوئی ۔ مذکورہ احکام کہ نماز نہ ہوئی یا تیمم نہ ہوا، دونوں متحد ہیں کیونکہ تیمم نہ ہونے کی صورت میں بھی نماز نہ ہوئی۔ اسی طرح حلیہ میں ہے :" لا یصح التیمم الا بعد المنع " لیکن صحیح، معتمد اور ظاہر الروایۃ وہ حکم ہے جو امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ پنجم کے تحت، زیادات، جامع کرخی، محیط سرخسی، خلاصہ، وجیز، شرح وقایہ، حلیہ، عالمگیریہ، بحر اور غنیہ کی عبارتوں سے ثابت کیا کہ بطلان نماز کا مذکورہ حکم صحیح نہیں کیونکہ صرف غلبۂ ظن عطا سے نہ تیمم باطل نہ نماز لیکن اگر بعد میں ظن عطا کی خطا ظاہر ہو جائے تو تیمم و نماز دونوں صحیح و تام ہیں۔ اس صریح تعارض کی نشاندہی کر کے، مؤخر الذکر حکم کو بدلائل ترجیح دینا اور اوّل الذکر کی محققانہ اصلاح فرمانا، صرف اعلیحضرت ہی کا حصہ ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ واللہ ذوالفضل العظیم

اس کے بعد اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء کے قوانین پیش فرمائے جو قابلِ اصلاح تھے، مثلاً :۔

۱۔ سب سے پہلے امام صدر الشریعۃ کا قانون پیش کیا اور اس پر تین وجہ سے کلام کیا۔

۲۔ پھر صاحب بحر الرائق کا قانون نقل کر کے اس پر گیارہ وجہ سے کلام کیا۔

۳۔ بعدہٗ علامہ حلبی کا قانون پیش کر کے اس پر نو وجہ سے کلام کیا۔

۴۔ آخر میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے " قوانین رضوی " کے عنوان سے اپنا قانون پیش فرمایا کہ دنیائے اسلام کی مایۂ ناز علمی ہستیاں انگشت بدنداں رہ گئیں اور شکر خدا بجالائے کہ ایسے عظیم الشان امام کے فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض ہونے

کا موقع ملا۔ اعلیحضرت نے اپنے اس قانون کو ۲۶۴ اقسام پر منقسم کیا یعنی مالبسوال عطا ۲۴ اور مابدونہ عطا ۳۰ تو مجموعہ عطا ۴ ۵ ہوا۔ بالسوال وعدہ ۷۲ اور مابدونہ وعدہ ۹۶ تو مجموعہ وعدہ ۱۶۸ ہوا۔ مالبسوال سکوت ۹۹۔ مالبسوال منع ۹۹۔ خاموشی مابدونہ ۴۔ جملہ اقسام کا مجموعہ ۲۶۴ ہوا۔ ان سب کو انہیں قاعدوں کے تحت دس اقسام میں محصور کر دکھایا۔ (سبحان اللہ)

پانی بغیر مانگے نماز پڑھ لی خواہ نہ ملنے کا ظن غالب یا ثمن موجود نہیں یا یاد نہ رہا یا بعد نماز مانگا یا پانی دینے والے نے خود پیش کش کی یا سوال پر انکار کر دیا یا سکوت کیا یا پانی دے دیا وغیرہ جملہ صورتوں کا شمار تیرہ سو اسی تک پہنچایا اور ہر صورت کا صحیح، معتمد اور ظاہر الروایۃ حکم، کتب مذہب کی روشنی میں مدلل کیا۔ بعض فقہاء کی غلطیوں کی تصانیف کی روشنی میں سیکڑوں وہ صورتیں بیان فرمائی ہیں، جن کا بیان تک کسی بھی فقہی کتاب میں موجود نہیں ہے پھر ان صورتوں کے شرعی احکام، علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف سے ہی اخذ کر کے دکھا دیے۔

قدر جوہر بداند جوہری کے اصول کے تحت علمائے حرمین شریفین نے اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جن عظیم و جلیل خطابات سے نوازا تھا وہ مبالغہ نہیں ہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔ آپ کے کمالات عالیہ کے پیش نظر قدماء علماء راسخین کی ارواح طیبہ بھی شاداں و فرحاں ہوں گی کیونکہ سبحان السبوح اور المعتمد المستند ایسی بلند پایہ کتب کے مصنف اور بیسیوں دیگر کتب و رسائل علم کلام کے محشی کا مقام، اول درجے کے متکلمین میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح فقہا کے زمرے میں آپ ایک مایۂ ناز اور عظیم ترین فقیہہ ہیں اور رجحان ممیزین، اصحاب ترجیح اور اصحاب تخریج کی جملہ صفات آپ کے اندر بدرجہ اتم نظر آرہی ہیں، جیسا کہ ماہرین علم و فن پر واضح و روشن ہے اور ہاں بعض صفات، مجتہدین فی المسائل اور مجتہدین فی المذہب کی بھی پائی جاتی ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کے بعض مسائل اور اُن پر معرکۃ الآراء ابحاث، اس دعویٰ پر برہان ساطع

اور شاہد عادل ہیں۔ اسی لیے تو محافظ کتب حرم، علامہ سید اسمٰعیل بن خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ "اگر امام ابو حنیفہ آپ (اعلیحضرت) کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور آپ کو اپنے اصحاب کے زمرے میں شامل فرمالیتے۔" ؎

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہلِ قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

۱۱

الطلبۃ البدیعہ

اگر کوئی جنب ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسا حدث بھی ہو جو وضو واجب کرے تو ان سب صورتوں میں حکم یہ ہے کہ صرف تیمم کرے اور وضو اگرچہ مضر نہیں اور اس کے قابل پانی بھی موجود اور وقت بھی اس کی وسعت ہے لیکن اصلاً وضو نہ کرے کیونکہ وہی تیمم جو جنابت کے لیے کریگا وہ حدث کے لیے بھی کافی ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص۸۰۲)

امام صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرح وقایہ میں یوں فرمایا ہے: "اذا کان للجنب ما یکفی للوضوء لا للغسل تیمم ولا یجب علیہ التوضی عندنا خلافا للشافعی اما اذا کان مع الجنابۃ حدث یوجب الوضوء یجب علیہ الوضوء لا لتیمم للجنابۃ بالاتفاق واذا کان للمحدث ما یکفی لغسل بعض اعضائہ فالخلاف ثابت ایضا۔ اھ

چونکہ یہ عبارت ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتی ہے للذا علمائے ما بعد اپنی اپنی تصانیف میں اس پر بحث کرتے آئے ہیں۔ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کا خاتمہ کرنے کی غرض سے ایک رسالہ "الطلبۃ البدیعہ فی قول صدر الشریعۃ" کے نام سے لکھا اور بدائع[1]، حلبی[2]، شامی[3]، ملک العلما[4]، کافی[5]، زیلعی[6]، فتح[7]، حلیہ[8]، بحر[9]، شرنبلالی[10]، چلپی[11] اور طحطاوی[12] وغیرہ کتب کتب کی روشنی میں ثابت کیا کہ جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو اور غسل نہ کر سکتا ہو اور وضو کر سکے تو وضو بھی نہ کرے، دونوں کے لیے تیمم کافی ہے، احناف کا یہی مسلک ہے۔

امام اہل سنت نے اس دعویٰ پر سات دلائل قائم کیے اور انہیں تبیین[1] الحقائق، حلیہ[2]،

اختیار شرح مختار، کنز الدقائق، تنویر الابصار، جواہر الفتاوی، نوازل، خزانۃ المفتین، خلاصہ، کافی، غنیہ، فتح القدیر، شرح نقایہ، برجندی، بحر الرائق، مبسوط، بدائع، درمختار اور رد المحتار وغیرہ بلکہ خود شرح وقایہ کے متعدد حوالوں سے محققانہ انداز پر جو دادِ تحقیق دی اور جس جودت طبع کا مظاہرہ کیا وہ صرف اعلیٰحضرت ہی کا حصہ ہے۔

اس کے بعد مسلکِ احناف کی تائید میں بعض نصوص پیش کیے۔ پھر علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر جو کلام کیا یا تاویلات و توجیہات فرمائی ہیں ان کو نمبر وار نقل کر کے ہر ایک فقیہ کی بحث اور تاویل و توجیہ پر تصریحاتِ علمائے کرام اور خود ان ہی کی تصانیف کی روشنی میں کلام کیا ہے۔

جناب مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی نے اسی قول صدر الشریعہ کی تردید کرتے ہوئے نرالی تحقیق پیش کی، جس کا پچیس وجہ سے امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے رد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت صدر الشریعۃ کے مذکورہ قول کی صحیح تاویلات پیش کر کے، عبارت کو اس طرح شرح کیا کہ سرے سے کوئی اعتراض ہی وارد نہ ہو۔

فقہائے کرام کے درمیان حضرت صدر الشریعہ کا مذکورہ قول ایک مدت سے موضوعِ بحث اور ناقابلِ قبول بنا ہوا تھا لیکن بارگاہِ رضوی سے اس کی وہ محققانہ شرح ہوئی کہ انگشت نمائی کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اس قول کے اجمال کی وہ تفصیل کی کہ اب یہ احناف کے مفتیٰ بہ مسئلہ کے مطابق ہوگیا۔

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ، خاص طور پر قابلِ غور ہیں ؎ وھذا کما تری

بحمد اللہ تعالیٰ احق باسم الشرح من اسم التاویل اذلیس فیہ صرف لفظ عن معناہ اصلا وانا اجعلہ ھدیۃ لروح الامام صدر الشریعۃ جعلہ اللہ تعالیٰ لاصلاح احوالی ومغفرۃ ذنوبی ذریعۃ اھ

اس قول کے زیرِ بحث آنے سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ اعلیحضرت کی خداداد علمیت، محققانہ شان اور تائید ربانی منظر عام پر آگئی۔

۲۔ مذکورہ بحث کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

۳۔ مذکورہ مسئلہ کی بعض ایسی صورتیں مع احکام بھی مذکور ہو گئیں، جن کے بیان سے دیگر فقہی کتابوں کا دامن تہی ہے۔

۴۔ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جنابت و حدث کی حالت میں تیمم کرنے کی جملہ صورتوں کو سولہ مسائل کی صورت میں بطور خلاصہ بیان کر دیا، جنہیں "ضابطہ رضوی" کے نام سے موسوم کرنا بے جا نہ ہوگا۔

۱۲

مسئلہ لمعہ

جنب نے بدن کا کچھ حصہ دھویا کچھ باقی رہا کہ پانی ختم ہوگیا، پھر حدث ہوا کہ موجب وضو ہے۔ اب جو پانی ملے اسے وضو اور رفع حدث میں صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں۔ یہ مسئلہ لمعہ ہے۔ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وہ تفصیلی تحقیق معہ حوالہ جات بیان فرمائی کہ فقہ کی کسی کتاب میں اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ملے گا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

فقہ کی ہر ایک کتاب میں لمعہ کی صورتیں معہ احکام مندرج ہیں۔ سب سے زیادہ صورتیں شرح وقایہ کے اندر بیان ہوئی ہیں، جن کا شمار پندرہ ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے امام اہل سنت کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کی شکل میں ظاہر کیا، جنہوں نے علیحدہ علیحدہ گن کر لمعہ کی اٹھانویں صورتیں بیان فرمائیں اور ہر ایک صورت کا مدلل شرعی حکم واضح کیا۔ چونکہ بعض صورتوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے لہٰذا اٹھانویں صورتوں کے احکام کی تعداد تیس بیان فرمائی۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے جو اختلافات واضطرابات ہیں، متعلقہ عبارتیں نقل کر کے انہیں رفع کیا گیا، پھر مصنف نے تمام فقہاء سے بہتر اور جامع، اپنا ضابطہ کلیہ بھی بیان کر دیا ہے علاوہ ازیں جب نجاستِ حکمیہ اور حقیقیہ کا اجتماع ہو جائے اور پانی صرف ایک کے لیے بقدرِ کفایت موجود ہو نیز جب حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں کا اجتماع ہو جائے اور پانی آنا ہے کہ صرف ایک حدث کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ ان دونوں صورتوں سے متعلق

عباراتِ علماء نقل کر کے، اُن پر کلام کیا اور واضح فرمایا کہ اس مسئلہ میں ترجیح، محررِ مذہب، امام محمد رحمۃ اللہ کے قول کو ہے۔

آخر میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقتِ واقعیہ کا یوں اظہار فرمایا ہے جو خاصہ غور طلب اور فکر انگیز ہے :-

"الحمد للہ کتاب مستطاب "حسن التعمم لبیانِ حد التیمم" مسودہ فقیر سے اٹھارہ جزو سے زائد میں باحسن وجوہ تمام ہوئی جس میں صدہا وہ ابحاثِ جلیلہ ہیں کہ قطعاً طاقتِ فقیر سے بدرجہا وراء ہیں مگر فیضِ قدیر، عاجز فقیر سے وہ کام لے لیتا ہے جسے دیکھ کر انصاف والی نگاہیں کہ حسد سے پاک ہوں ناخواستہ کہہ اٹھیں۔ ع

کم ترک الاوّل للاٰخر

کتنے مسائل جلیلہ معرکۃ الآراء بحمدہٖ تعالیٰ کیسی خوبی وخوش اسلوبی سے طے ہوئے وَلِلّٰہِ الحَمْدُ کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ آٹھ رسائل ہیں۔۔۔ بہر حال جو کچھ ہے۔ میری طاقت سے وراء اور محض فضل میرے رب کریم پھر میرے نبی رؤف رحیم کا ہے"!

(فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص۸۴۹)

۱۴

رقّت وسیلان

رقت وسیلان کی فقہی تعریف اور احکام کے بارے میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ "الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان" کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس میں بھی تحقیق کے وہ نرالے جوہر دکھائے گئے ہیں کہ امت مسلمہ کو زیر بار احسان کر کے دنیائے اسلام کے تمام اہل علم حضرات کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اس مسئلے کا ایسا محققانہ تفصیلی اور جامع بیان دیگر کسی بھی فقہی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

بخوف طوالت ذیل میں ہم صرف اُن امور کے عنوان ہی پیش کرتے ہیں جن پر اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشادات علمائے کرام کے تحت معرکۃ الآرا بحث کی ہے۔ معنی طبیعت

پانی کی طبیعت، رقت وسیلان ہے ـــــ معنی رقت وسیلان ـــــ

مذکورہ امور پر بحث کرنے کے بعد وضاحت سے ثابت کیا کہ رقت دو قسم کی ہوتی ہے:۔

(۱) رقت بالفعل (۲) رقت بالقوۃ ـــــ پھر ان کے متعلق احکام پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

شرع میں جس حد کی رقت معتبر ہے اُس کے متعلق عبارات علماء تین قسم کی ہیں۔ آپ نے تین مقدمات پیش کر کے ان عبارتوں کی محققانہ اصلاح فرمائی۔ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت مسئلہ کی صورت کو واضح کیا یعنی:۔

رقیق بے جرم ہے اور کثیف ذی جرم ـــــ بے جرم سے مراد ـــــ تحقیق معنی رقیق ـــــ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رقیق کی جو بے مثل تعریف بیان کی اس سے علمائے کرام

کی کتنی ہی عبارتوں کا اختلاف مٹ گیا۔ غرضیکہ اس تعریف سے بیس[۲۰] فائدے حاصل ہوئے ہیں جن کی تفصیل اصل رسالے میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

رقت کا کثافت میں تبدیل ہونا غلبۂ غیر سے ہوتا ہے لیکن ——— غلبہ کس امر میں مراد ہے ——— غلبۂ اجزاء سے مراد ——— مذکورہ معانی میں کس کو ترجیح ہے؟

ان عنوانات پر فادی[۱]، برجندی[۲]، امام عینی[۳]، شرنبلالی[۴]، مجمع الانہر[۵]، درر[۶]، شامی[۷]، مسکین[۸]، حموی[۹]، ابی السعود[۱۰]، غنیہ[۱۱]، چلپی[۱۲]، قہستانی[۱۳]، بحر[۱۴]، عنایہ[۱۵]، طحطاوی[۱۶]، عبدالحلیم[۱۷]، حلیہ[۱۸]، جوہرہ[۱۹]، نیرہ، عنایہ[۲۰] بنایہ[۲۱]، غایۃ البیان[۲۲]، ملتقی الابحر، فرائد[۲۴]، قرہ باغی[۲۵]، منیہ[۲۶] وغیرہ نیز تمام اہل ضابطہ اور عامۃ الشراح کے ارشادات کی روشنی میں محققانہ فاضلانہ بحث فرمائی ہے۔

پھر واضح کیا کہ: ——— طبخ کی حقیقت کیا ہے؟ ——— طبخ میں منع کس وجہ سے ہے؟ ——— یہاں ہدایہ کی عبارت میں اعلیٰحضرت کے نزدیک قوی اشکال تھا اور اسے شارحین نے رفع نہیں کیا تھا، کفایہ[۱]، درایہ[۲]، بنایہ[۳]، ابن الشلبی[۴] اور درر وغیرہ کی روشنی میں اسے حل فرمایا گیا۔ طبخ کی حقیقت اور طبخ میں ممانعت پر قہستانی بحر نہر اور خلاصہ کی روشنی میں بے مثال تحقیق فرمائی، متون کے ارشادات، طبخ کے بارے میں نقل کر کے ان کا موازنہ کیا اور امام اہل سنت نے اُن ارشادات کی وہ تنقیح فرمائی جو آپ کے علمی تبحر کی روشن دلیل ہے۔

"غیر ارنساف" کے متعلق متون کی مراد بیان کرنے میں شروح کا اختلاف ہے۔ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شروح کے بیانات نقل کرنے کے بعد ان کی اصلاح فرمائی اور متون کی اصل مراد ظاہر کی۔ ان بیانات کو مجمع الانہر، خادمی[۲]، تبیین[۳]، فتح[۴]، نہایہ[۵]، عنایہ[۶]، بنایہ، درایہ[۸]، کفایہ[۹]، غایہ[۱۰]، سعدی[۱۱]، جوہرہ[۱۲]، حلیہ[۱۳]، ابی السعود[۱۴]، مسکین[۱۵]۔ کے مندرجات کی روشنی میں محققانہ انداز میں منقح کیا۔

اس کے ساتھ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ضابطہ پیش کیا اور جن فقہا نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

کے قول کو اختیار کیا ہے اُن کی وہ متعلقہ عبارتیں نقل کر کے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تنقیح فرمائی ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ وہ عبارتیں نقل کر کے امام اہلِ سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیحات پیش کروں لیکن طوالت کا خوف ایسا کرنے سے مانع ہے کیونکہ یہ بحث بڑے سائز کے دس صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۔ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ کی توجیہ پیش کرتے ہوئے اُن کے دلائل کا جواب دیا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مسلّمہ مسائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ محرر مذہب کی بجائے یہاں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ضابطہ صحیح، معتمد اور مستند متون کا مفاد ہے۔

۲۔ امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ برجندی رحمۃ اللہ علیہ کا ضابطہ نقل کر کے اس پر انیس[۱۹] وجہ سے کلام کیا ہے۔

۳۔ امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ پر چھبیس[۲۶] وجہ سے کلام کیا ہے۔

۴۔ امام زیلعی کی تبعیت میں بحرالرائق کے کلام پر چھبیس[۲۶] وجہ سے کلام کیا ہے۔

۵۔ اسی باب سے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر بارہ وجہ سے کلام کیا ہے۔

۶۔ آخر میں امام اہلِ سنت نے اپنا بے نظیر ضابطہ پیش کیا ہے جو ضابطۂ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور جمیع ضوابط کے جزئیات صحیحہ معتمدہ کا جامع ہے۔

امام زیلعی کے ضابطہ پر کلام کرنے سے پیشتر امام اہلِ سنت نے ادب واحترام کے ساتھ یوں عقیدت کا اظہار کیا ہے: "یہ فقیر حقیر غفرلہ الغفور القدیر، اکابر کے حضور زبان کھولنے کی کیا لیاقت رکھتا ہے مگر بحمد اللہ المولیٰ سبحانہ، وتعالیٰ جب دامن ائمہ مذہب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ہاتھ میں ہو تو دل قوی ہوتا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص۵۲۶) نیز اپنا ضابطہ پیش کرنے سے پہلے، یوں ارشاد فرمایا "سبحان اللہ!

فقیر بھی کوئی شے ہے کہ احکام میں زبان کھول سکے۔ ماشاء اللہ ضابطہ وہی ضابطہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ باتباعِ علماء اس کے اجمال کو مفصل کر دیا۔ تفاصیل میں خدمتِ گاری کلام اکابر کے صدقہ سے جن تحقیقات کا اضافہ ہوا ان پر ابتنائے تشقیق کیا ہے جملہ ضوابط صحیحہ مذکورہ کو ایک دائرہ کے احاطہ میں لیا ہے، اس نے بیان کو اظہر و اجمع و انور و انفع کر کے ضابطہ کے لیے خلعتِ جدت سی دیا ہے۔" (فتاوٰی رضویہ جلد اول صفحہ ۵۳)

نورِ چشمِ بوحنیفہ، اہلِ سنت کا امام
ہے مجدد اس صدی کا اور محقق لاکلام

اظہارِ حقیقت

قارئین کرام! مندرجہ بالا مختصر تعارفی سطور سے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہوا کہ اعلیٰحضرت، عظیم البرکت، امام اہلِ سنت، مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ آسمانِ فقہ کے مہر درخشاں ہیں۔ ماہرین پر یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگرچہ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ مجتہد نہیں بلکہ امام اعظم، سراجِ امت محمدیہ، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے لیکن ان کے بعض فتوے تحقیق و تدقیق کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، جن سے اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے۔

بعض نئے مسائل یا ایسے مسئلے جن پر تصانیفِ علمائے کرام کے متون و شروح میں تفصیلی بحث نہیں کی گئی، جب وہ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو اس شان سے دادِ تحقیق دی کہ تسبیح کے دانوں کی طرح دلائل کو ایک لڑی میں پروتے چلے گئے اور آپ کی تحقیقات کے مطالعہ کے دوران واضح ہوتا ہے کہ جملہ مندرجات ہر وقت پیشِ نظر رہتے تھے اور حل طلب مسائل پر ان سب ہی روشنی میں تبصرہ اور بحث فرمائی جاتی تھی۔ جن مسائل یا دلائل میں فقہاء کا اختلاف ہے وہاں مدلل طور پر ایک کی اصلاح اور دوسرے کی ترجیح یا صحت کو ثابت

کیا ہے۔

غرضیکہ جب اور جس مسئلہ میں، امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قلم میدانِ تحقیق میں اترا، تو اس کی برق رفتاری اور سلامت روی کے پیش نظر آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجیب میں اجتہاد و استنباطِ مسائل کی پوری پوری قدرت تھی اور اس مقام رفیع پر متمکن ہونے کی ان میں بہت حد تک صلاحیت پائی جاتی تھی، اگرچہ من کل الوجوہ آپ مجتہد نہیں تھے اور نہ انہیں مجتہد ہونے کا دعویٰ تھا بلکہ وہ اجتہاد کے دروازے کو بالکل بند سمجھتے تھے ؎

مقتدائے اہلِ سنت، نیرِ برجِ ہدیٰ
افتخارِ دین و ایمان، حضرت احمد رضا

مخالفین کا اعترافِ عظمت

۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں "مرکزی مجلس رضا لاہور" کی تحریک پر احقر نے یہ مقالہ لکھا تھا۔ اس میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کا فقاہت میں علمی مقام بھی اُن کی مایہ ناز فقہی تصانیف سے پیش کیا تھا کیونکہ اول الذکر کو دیوبندی حضرات "فقیہ النفس" اور موخر الذکر کو مجدد حکیم الامت بلکہ "جامع المجددین" تک قرار دیتے ہیں جو اُن حضرات کی محض قصیدہ خوانی ہے۔

اعلیٰحضرت قدس سرہ کے یگانۂ روزگار و مرکز دائرہ تحقیق ہونے کا جو مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر ممالک کے نامور معاصرین علمائے کرام نے اقرار کیا اسی سیکڑوں میں سے صرف تیس عبارتیں اُس مقالے میں پیش کی گئی تھیں۔ علاوہ بریں اعلیٰحضرت نے جو بعض علمائے دیوبند کی تکفیر کی تھی اس موضوع پر بھی اصل عبارتوں کی روشنی میں بحث کی تھی لیکن مذکورہ بالا تینوں قسم کے بیانات کو اس مقالے سے خارج کر دیا گیا ہے اور یہ کام برادرم محمد عارف رضوی صدر

مرکزی مجلس رضا لاہور کے ایما پر کیا گیا ہے۔

عرب و عجم کی یگانۂ روزگار علمی ہستیوں نے اعلیحضرت کے عظیم علمی مقام کو سراہا اور آپ کی توصیف میں رطب اللسان رہے جس کا عشر عشیر بھی آپ کے کسی معاصر کو نصیب نہیں ہوا اور یہ اعلیحضرت کے فضل و کمال کی بین دلیل ہے۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ کے شدید مخالفین بھی آپ کی علمی بصیرت، عشق رسول اور ایمان کامل کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے تو فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے بلند ترین علمی مقام کے لیے مزید کسی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لہذا " الفضل ما شهدت به الاعداء " کے مسلمہ اصول کے تحت، اب چند مخالفین کے بیانات ملاحظہ ہوں۔

تھانوی صاحب کے بیانات

۱۔ "حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھ کو مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع ملتا تو میں پڑھ لیتا۔"
(اسوۂ اکابر ص ۱۵ ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۱ فروری ۱۹۶۲ء)

۲۔ "حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی صاحب کا قول ہے کہ کسی بریلوی ۔۔۔۔۔ کو کافر نہ کہو اور نہ آپ نے کسی بریلوی کو کافر کہا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی ایک بڑے جلسے سے خطاب کر رہے تھے، ابھی آپ نے تقریر شروع کی تھی کہ خبر ملی کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی انتقال کر گئے ہیں۔ تو آپ نے اسی وقت تقریر کو ختم کر دیا اور غمزدہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب سے ہمارا زندگی میں اختلاف رہا، لیکن ہم ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اسی وقت حکیم الامت تھانوی صاحب نے خود اور اہل جلسہ نے آپ کے ساتھ مولوی احمد رضا کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔" (ہفت روزہ چٹان، لاہور ۔ ۷ دسمبر ۱۹۶۲ء)

۵ ـ سامنے اس کے نہ کہتے، مگر اب کہتے ہیں
لذتِ عشق گئی نیر کے مر جانے سے

۳ ـ "حضرت والا (تھانوی صاحب) کا مذاق باوجود احتیاط فی المسلک کے اس قدر وسیع اور حسنِ ظن لیے ہوئے ہے کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی . . . . کے کبھی برا بھلا کہنے والوں کے جواب میں دیر دیر تک حمایت فرمایا کرتے ہیں اور شدومد کے ساتھ رد فرمایا کرتے ہیں کہ ممکن ہے ان کی مخالفت کا سبب واقعی حبِ رسول ہی ہو اور وہ غلط فہمی سے ہم لوگوں کو نعوذ باللہ گستاخ سمجھتے ہوں۔"

(اشرف السوانح جلد اوّل ص۱۲۹)

۴ ـ مولانا تھانوی نے فرمایا: میرے دل میں احمد رضا کے لیے بے حد احترام ہے وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشقِ رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔"

(چٹان لاہور۔ ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء)

مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی کی رائے

۵ ـ مدرسہ دیوبند کے سابق ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی لکھتے ہیں اگر خان صاحب (اعلیحضرت) کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا تو خان صاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے جیسے علمائے اسلام نے جب مرزا صاحب کے عقائد کفریہ معلوم کر لیے اور وہ قطعاً ثابت ہو گئے تو اب علماء اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر و مرتد کہنا فرض ہو گیا، اگر وہ مرزا اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں خواہ وہ لاہوری ہوں یا قدیانی (قادیانی) وغیرہ تو وہ خود کافر ہو جائیں گے کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔

(اشد العذاب ص۱۳)

جماعت اسلامی کے نائب امیر کی رائے

۶۔ "مولانا غلام علی صاحب، نائب مولانا مودودی صاحب، مدظلہ العالی نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتابیں لے کر مطالعہ فرمائیں، تو فرمایا۔۔۔ "درحقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں ہم لوگ سخت غلط فہمی میں رہے ہیں۔ اُن کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے اُن کے ہاں پائی ہے وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔ مجھے تو ان سے سوائے مسئلہ تکفیر کے اور کسی مسئلے میں کوئی خاص اختلاف نہیں جتنے بھی اختلافات ہیں وہ بہت معمولی ہیں"

(ہفت روزہ شہاب۔ لاہور۔ ۲۵ نومبر ۶۲ ۱۹ء)

ماہنامہ معارف کا تبصرہ

فتاویٰ رضویہ جلد سوم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

۷۔ "مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب مرحوم اپنے وقت کے زبردست عالم، مصنف اور فقیہ تھے۔ انہوں نے چھوٹے بڑے سیکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں۔ قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان علمی کارناموں کے ساتھ ہزارہا فتووں کے جواب بھی انہوں نے دیے ہیں۔ اُن کے بعض فتوے کئی کئی صفحے کے ہیں۔ فقہ اور حدیث پر اُن کی نظر بڑی وسیع ہے۔ دو جلدیں اس سے پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ اب تیسری جلد "سنی دارالاشاعت" مبارکپور اعظم گڑھ نے شائع کی ہے۔ اس جلد میں ۲۴۸ مسائل ہیں۔ اب ان کے فتاویٰ کی آٹھ جلدیں اور باقی ہیں (آٹھ نہیں بلکہ نو باقی ہیں۔ اختر) ان فتاویٰ میں بعض نئے پیدا شدہ مسائل

کے متعلق بھی فتوے ہیں جن کا جواب مولانا نے بڑی وسعتِ نظر سے دیا ہے بہرحال مولانا کے مخصوص خیالات سے قطع نظر ان کے فتاویٰ اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے۔ ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔" (ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت فروری ۱۹۶۲ء)

معارف کا فتاویٰ رضویہ جلد چہارم پر تبصرہ

۸۔ "مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم اس دور کے صاحبِ علم ونظر علماء ومصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ وحدیث پر ان کی نظر وسیع اور گہری تھی۔ چند سال پہلے ان کے فتاویٰ کی تیسری جلد پر "معارف" میں تبصرہ شائع ہو چکا، یہ چوتھی جلد ہے جو جنائز زکوٰۃ، صوم اور حج کے متعلق تقریباً ساڑھے چار سو مسائل پر مشتمل ہے۔ ان ابواب کے متعلق مولانا کے بعض مستقل رسالے اور کئی کئی صفحے کے طویل فتوے بھی اس میں شامل ہیں۔

مولانا نے جس دقتِ نظر اور تحقیق کے ساتھ جواب تحریر فرمائے ہیں اس سے ان کی جامعیت، علمی بصیرت، فقہی جزرسی، استحضار، ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے..... مولانا کے تکفیری آراء واقوال سے قطع نظر[1] ان کے یہ عالمانہ

---

[1] اعلیٰحضرت نے جن چند لوگوں کی تکفیر کی تھی ان کے اخلاف اس حقیقت کو غلط انداز میں پیش کرتے ہیں اس موضوع پر ہمارے فاضل بزرگ مولانا علامہ غلام علی اوکاڑوی نے نہایت محققانہ کتاب لکھی ہے۔ اس لاجواب کتاب کو مرکزی مجلس رضا چھاپ رہی ہے۔ اس کی اشاعت سے اہل حق پر واضح ہو جائے گا کہ اعلیحضرت نے حکم تکفیر جاری کر کے حدودِ شریعت کی پاسبانی کی ہے اور ان منکرین کے فتنے کا بھی سدباب ہو جائے گا جو اعلیحضرت کے فتاویٰ کو "جذباتی" قرار دیتے ہیں اور انہیں صریح کفریہ عبارتوں میں صرف کفر کا "احتمال" نظر آتا ہے۔ (محمد عارف رضوی)

و محققانہ نقادوں سے، مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔ اس ضخیم مجموعہ کی اشاعت پر ناشر مبارکباد کے مستحق ہیں۔" (معارف ستمبر ۱۹۶۹ء)

بخوفِ طوالت یہاں صرف آٹھ شہادتیں پیش کی ہیں۔ انہیں اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کی کرامت شمار کیجیے یا آپ کے بلند پایہ اور محققانہ علمی کارناموں کی افادیت کا کرشمہ کہ مخالفین بھی ایسے بیانات دینے پر مجبور ہو گئے۔ کیوں نہ ہو جبکہ دیگر جماعتوں کے علماء کے فتاویٰ بھی موجود ہیں لیکن فتاویٰ رضویہ اور اُن تصانیف میں بلحاظ علمیت اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ آفتاب اور ستاروں کی نورانیت میں۔ مگر بعض معتقیوں کا حنفیت سے بغاوت کرنا الگ بات ہے۔

اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کا نام نامی و اسمِ گرامی ان کے جاندار اور محققانہ علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اعلیٰحضرت کی جملہ غیر مطبوعہ تصانیف کو شائع کیا جائے۔

حضرت سید محمد معصوم شاہ صاحب سجادہ نشین چک سادہ شریف، اللہ تعالیٰ ان کو بلند مراتب عطا کرے کہ انہوں نے لاہور میں دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے قریب نوری کتب خانہ قائم کیا اور اپنی بساط کے مطابق اعلیٰحضرت کی اکثر تصانیف کو شائع کرایا۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی والے آج کل اعلیٰحضرت اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف کو معیاری انداز پر شائع کروا رہے ہیں۔ باری تعالیٰ شانہٗ انہیں اس سے بھی زیادہ توفیق دے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات کچھ کام کر دکھانے کے عزائم لے کر اس میدان میں کود چکے ہیں۔ مرکزی مجلس رضا لاہور کی کارگزاریاں بھی قابلِ صد ستائش ہیں۔

جناب مولانا عبدالحکیم شرف لاہوری صدر مدرس دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور (ہزارہ) صوبہ سرحد میں بطریق احسن اعلیٰحضرت کے علوم کی اشاعت کر رہے ہیں۔ (جزاہم اللہ) اہلِ سنت کو ان جملہ اداروں سے تعاون کرنا چاہیے تاکہ یہ علمائے اہل سنت اور

اعلیٰحضرت کی زیادہ سے زیادہ تصانیف کو منظر عام پر لاسکیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

۲۴ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ
مطابق ۱۲ مئی ۱۹۶۹ء

عبدالحکیم خاں اختر
شاہجہانپوری مظہری
لاہور

*

فیضِ رضا پائندہ باد

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا پچاسواں یوم ”مرکزی مجلسِ رضا لاہور“ نے برکت علی ہال میں منایا، اُس مقدس تقریب کے موقع پر، صاحبِ یوم کے متعلق، احقر نے اپنے تاثرات کو درجِ ذیل اشعار میں مرکوز کیا نیز مقطع میں اس عرس کی تاریخ بھی کہی ہے

اوجِ مہرِ حضرت احمد رضا پائندہ باد
ضوفشاں ہے لمعۂ، شمعِ ہدیٰ پائندہ باد

وارثِ علمِ پیمبر، نائبِ غوث الوریٰ
محیِ دین و فخرِ ملت، مرحبا پائندہ باد

اے سپہ دارِ حق، اے ناصرِ دینِ متین
اے فدا کارِ محمد مصطفیٰ پائندہ باد

ترجمہ قرآں کا لکھ کر کنزِ ایماں کر دیا
اے مفسر! واقفِ رازِ خدا پائندہ باد

شرحِ فقہِ بوحنیفہ ہے فتاویٰ آپ کا
ہے یہ فضلِ حق، نبی کی ہے عطا پائندہ باد

علم و عرفاں کے خزائن ہیں رسائل آپ کے
نورِ ایماں سب کے اندر بھر دیا پائندہ باد

مصطفیٰ کی آن پر سب کچھ کیا تم نے نثار
ہو گئے مشہور عبدالمصطفیٰ پائندہ باد

علم و عرفاں، جانِ ایماں سب ہے فقط حُبِّ نبی
تیرا یہ فرمان دل میں بس گیا پائندہ باد

تیرے مرقد پر رہیں انوارِ حق جلوہ فشاں
تو نے جو پُر نور عالم کر دیا پائندہ باد

سو رہے ہیں اہلِ سنت سیّدی احمد رضا
ان کے حق میں کر دعا بہرِ خدا پائندہ باد

کلکِ اختؔر کی کرشمہ کاریوں کو دیکھ کر
کہتے ہیں اہلِ نظر فیضِ رضا پائندہ باد

۱۳۹۰

اختؔر شاہجہان پوری مظہری لاہور

نذرِ عقیدت

امامِ اہلِ سنت کون ہے؟ میرے شہا تم ہو!
یہ بیڑہ سُنّیوں کا اور اس کے ناخدا تم ہو

وہ جس کی ذات پر ہے فخر اگلوں اور پچھلوں کو
بفضلِ حق اُسی حقانیت کے راہنما تم ہو

وہ توحید و رسالت کے معانی جس نے سمجھائے
حصارِ دین و ملت، ہادیٔ راہِ ہدیٰ تم ہو

محافظ تھا جو ناموسِ رسالت کا زمانہ میں
جسے یہ فخر تھا کہ ہوں میں عبدالمصطفےٰ تم ہو

وہی جو عظمتِ ختم الرسل کا پاسباں ٹھہرا
غریق بحرِ الفت، عاشقِ نورِ خدا تم ہو

قبولیت ملی ہے جس کو دربارِ رسالت میں
رضائے احمدِ مختار یا احمد رضا تم ہو

کیا اسلام زندہ جس محی الدین ثانی نے
مسلمانوں کا تھا اس دور میں جو آسرا تم ہو

کمالاتِ غزالی اور رازی کا مرقع ہو!
سیوطی اور محقق دہلوی کا آئینہ تم ہو

علومِ ابنِ عربی، سوزِ رومی، عشقِ جامی بھی!
سمایا جس کے سینے میں وہ قطب الاولیا تم ہو

شریعت میں امامت کا رہا سہرا تمہارے سر
جو ہے اہلِ طریقت کے لیے قبلہ نما تم ہو

امام بوحنیفہ کے ادھر نور نظر ٹھہرے!
طریقت میں اُدھر بھی نائب غوث الوریٰ تم ہو

حرم والوں نے ہو کر یک زباں اعلان فرمایا
علوم و معرفت میں آج کل سب سے سوا تم ہو

وہ جس کے زہد و تقویٰ کو سراہا شان والوں نے
کہا یوں پیشواؤں نے ہمارے پیشوا تم ہو

حقیقت ہے ملے ہیں دین دایاں آپ کے گھر سے
شریعت کے محافظ، اے شہ احمد رضا تم ہو

تمہیں تو قافلہ سالار ہو نوری جماعت کے
ہدایت کی کسوٹی دور حاضر میں شہا تم ہو

حدائق جس نے بخشش کے لسائے حُبّ نبوی سے
مدینے کا وہ بلبل، طوطی نغمہ سرا تم ہو

عمائد کفر کے جس نے سر میدان پچھاڑے تھے
علمبردار شانِ مصطفیٰ شیر خدا تم ہو

کہ بارہ سو چھیاسی سن سے لے کر آخری دم تک ۱۲۸۶ھ
جو چوّن سال مذہب کی حمایت میں لڑا تم ہو

ہدایت کے تمہیں اس دور میں ہو نیّرِ تاباں
ہے یہ بے نور اختر اس میں بھی جلوہ نما تم ہو

(اختر شاہجہاں پوری لاہور

*

قطعۂ تاریخِ طباعت طبعِ اوّل

نتیجۂ فکر

جناب مولانا سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہٗ

سجادہ نشین ساہن پال شریف (گجرات)

شعر

بحمداللہ ایں نسخۂ پُر ضیا ! — مکمل شد از لطفِ ذاتِ خدا

باحوال حضرت امام زماں — کہ احمد رضا نامِ او خوشنوا

مجدّد بشرعِ رسالت مآب — بعلمِ تصوّف شدہ مقتدا

بفقہِ حنیفی مقامش بلند — بدینِ نبی بود فرّخ لقا !

بہ تبلیغ و تعلیم اُو ہر کسے — منوّر شدہ از علومِ ہُدا

ز تالیفِ عالی شہیرِ جہاں — زہے مولوی اخترِ باصفا

کہ در شاہجہانپور شدہ مولدش — بلاہور ہم فیضِ اُو بے بہا

ز سالِ طباعت شرافت چو جست
ندا شد ز ہاتف، در "شمیمِ رضا"

۱۳ ھ ۹۱

*

قطعۂ تاریخ طباعت اوّل

نتیجہ فکر

جناب ابوالطاہر فدا حسین فدؔا مدظلہٗ مدیر اعلیٰ "مہروماہ" لاہور

"فقہی مقام" ایسی ہے تصنیفِ دل پذیر
عشقِ نبی کا جس سے ہو پیدا دلوں میں جوش

انوارِ حق و ظلمتِ باطل کا فرقِ عین
ہے شمعِ حق نما کہ یہ تنویرِ حق نیوش

اختر کے علم و فضل کا شہکار یہ کتاب
متمتع اس سے ہوگا ہر اک اہلِ ہوش و گوش

سالِ طباعت اس کا ز روئے امامِ عصر
فیضِ متین فدا سے ہے گویا ہوا سروش

+۱۰ = ۱۳۹۱ھ

فہرست تصانیف

(اختر شاہجہان پوری کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف وتراجم)

۱۔ مطبوعہ تصانیف

۱۔ حقانیتِ اسلام (شائع کردہ، ادارہ سواد اعظم، لاہور ۱۹۶۴ء) نایاب

۲۔ اعلیحضرت کا فقہی مقام (،، مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۹۷۱ء) ،،

۳۔ تجلیاتِ امامِ ربانی (،، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۷۸ء) ۳۶ روپے

۴۔ اعلیحضرت کی تاریخ گوئی (،، مکتبہ حامدیہ ،، ،،) زیر طبع

۲۔ مطبوعہ تراجم

۵۔ ترجمہ جواہر البحار، جلد اوّل (مکتبہ حامدیہ، گنج بخش روڈ، لاہور ۱۹۷۴ء) ۴۰ روپے

۶۔ ترجمہ الشفاء، جلد اوّل (مکتبہ نبویہ ،، ،، ۱۹۷۹ء) ۳۶ روپے

۷۔ ترجمہ بخاری شریف جلد اوّل (حامد اینڈ کمپنی، اردو بازار لاہور ۱۹۸۲ء)

۸۔ ،، جلد دوم (،، ،، ،,) } روپے

۹۔ ،، جلد سوم (،، ،، ،,)

۱۰۔ ترجمہ وتحشیہ، مؤطا امام مالک، جلد اوّل (فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور ۱۹۸۳ء)
۱۱۔ 〃 〃 جلد دوم (〃 〃 〃) } روپے

۱۲۔ ترجمہ سنن ابنِ ماجہ، جلد اوّل (〃 〃 ۱۹۸۴ء)
۱۳۔ 〃 〃 جلد دوم (〃 〃 〃) } روپے

۱۴۔ ترجمہ وتحشیہ، سنن ابوداؤد، جلد اوّل (〃 〃 زیرِ طبع)
۱۵۔ 〃 〃 جلد دوم (〃 〃 〃)
۱۶۔ 〃 〃 جلد سوم (〃 〃 〃) } روپے

۱۷۔ ترجمہ وتحشیہ، دار المعارف (نوری کتب خانہ زیر سایہ دربار حضرت داتا گنج بخش لاہور) ۳۰ روپے

۳۔ غیر مطبوعہ تصانیف

۱۸۔ فاروقِ اعظم (تاریخی نام ہے، یہ تذکرہ ۱۳۹۸ھ میں لکھا گیا)
۱۹۔ مہرِ درخشاں (حضرت مجدد الف ثانی کا تفصیلی تذکرہ جو ۱۴۰۰ھ میں لکھا گیا)
۲۰۔ عظیم الشان (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا 〃 ۱۴۰۱ھ 〃 〃)
۲۱۔ ثانی اثنین ابوبکر (یارِ غارِ رسول کا 〃 〃 ۱۴۰۳ھ 〃 〃)
۲۲۔ کھلا خط (اکابر دیوبند کی تکفیر کا عام فہم علمی تجزیہ)
۲۳۔ مودودیت کا تحقیقی جائزہ (نفسِ مضمون ظاہر ہے)
۲۴۔ تقویۃ الایمان کا 〃 (〃 〃 〃)
۲۵۔ صحابہ کرام مودودی صاحب کی نظر میں (〃 〃 〃)
۲۶۔ دوسرا زلزلہ (دیوبندی عقائد ونظریات تاریخ کے آئینے میں)
۲۷۔ مظہرِ شریعت (فقہی مسائل کا جدید ترین مجموعہ)
۲۸۔ مظہر البیان فی علوم القرآن (قرآن کریم سے متعلقہ معلومات کا جدید ذخیرہ)

۲۹۔ تجلیات مظہر اللہ (حضرت مرشدی و مولائی کا تذکرہ)

۳۰۔ قرآنی عقائد و نظریات (نفسِ مضمون ظاہر ہے)

۳۱۔ قرآنِ مجید کا ضابطہ عبادات (〃 〃 〃)

۳۲۔ قرآنِ مجید کا ضابطہ معاملات (〃 〃 〃)

۳۳۔ قرآنِ مجید کا ضابطہ اخلاقیات (〃 〃 〃)

۳۴۔ قرآنِ مجید کا ضابطہ تکفیر (〃 〃 〃)

۳۵۔ مسلمانوں کی اصلی جماعت (〃 〃 〃)

۳۶۔ دو قومی نظریہ کیا ہے؟ (〃 〃 〃)

۳۷۔ اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللہ بنانا (〃 〃 〃)

۳۸۔ مجددی عقائد و نظریات (〃 〃 〃)

۳۹۔ صحابہ کرام حضرت مجدد الف ثانی کی نظر میں (نفسِ مضمون ظاہر ہے)

۴۰۔ معجزات کا توحید و شرک سے تعلق (〃 〃 〃 〃)

۴۱۔ بشریت انبیائے کرام (〃 〃 〃 〃)

۴۲۔ دِلّی سے بالاکوٹ تک (سید احمد اینڈ کمپنی کی تحریک جہاد کیا تھی)

۴۳۔ عرفانِ رضا (احقر کے بعض دیباچوں کا مجموعہ)

۴۴۔ ایک طائرانہ نظر (قرآن مجید کے اُردو ترجموں پر)

۴۵۔ 〃 (کتبِ احادیث کے اردو ترجموں پر)

۴۶۔ تجلیاتِ احادیث (بعض ایمان افروز احادیث مع ضروری تشریحات)

۴۷۔ امامِ زمانہ (امام احمد رضا خاں کی انفرادیت)

۴۸۔ امام احمد رضا کا معتدل مسلک (نفسِ مضمون ظاہر ہے)

۴۹۔ امام احمد رضا خاں اور مسئلہ بدعت (〃 〃 〃)

۵۰۔ چودھویں صدی کا مجدد (امام احمد رضا کے مجدد ہونے پر ناقابلِ تردید دلائل)

۵۱۔ چودھویں صدی کا فقیہِ اعظم (امام احمد رضا کے فقیہِ اعظم ہونے کے علمی شواہد)

۵۲۔ بلبلِ باغِ رسول (نعت گوئی میں امام احمد رضا کی انفرادیت)

۵۳۔ پروانۂ شمعِ رسالت یا پیکرِ عشقِ رسول (امام احمد رضا کا بے مثال عاشقِ رسول ہونا)

۵۴۔ فردوسِ احمد رضا (نعت گوئی میں مقامِ رضا)

۵۵۔ ابرِ بخشش (پانچ بزرگوں کا اردو نعتیہ کلام)

۵۶۔ دیوبندیوں کے خوابوں کی دنیا (نفسِ مضمون ظاہر ہے)

۵۷۔ دیوبندیوں کا ریڈیو گیستان (〃 〃 〃)

۵۸۔ علمائے دیوبند کی باہمی جوتم پیزار (〃 〃 〃)

۵۹۔ روافض کی اسلام اور مسلمانوں پر مہربانیاں۔ (نفسِ مضمون ظاہر ہے)

۶۰۔ موجودہ عیسائی اور بائیبل (〃 〃 〃)

۴۔ غیر مطبوعہ تراجم

۶۱۔ ترجمہ الاصول الاربعہ (مصنفہ مولانا حسن جان سرہندی)

۶۲۔ ترجمہ وتحشیہ شفاء السقام (مصنفہ امام تقی الدین سبکی)

۶۳۔ ترجمہ رسالہ تہلیلیہ (مصنفہ حضرت مجدد الف ثانی)

۶۴۔ 〃 اثبات النبوۃ (〃 〃 〃 〃)

۶۵۔ ترجمہ مبدا و معاد (مصنفہ حضرت مجدد الف ثانی)
۶۶۔ " معارف لدنیہ (" " " ")
۶۷۔ " کوائف مذہب شیعہ (" " " ")
۶۸۔ " شرح رباعیات (" " " ")
۶۹۔ " مکاشفات عینیہ (" " " ")
۷۰۔ " فتوح الغیب (ملفوظات غوثِ اعظم جیلانی)
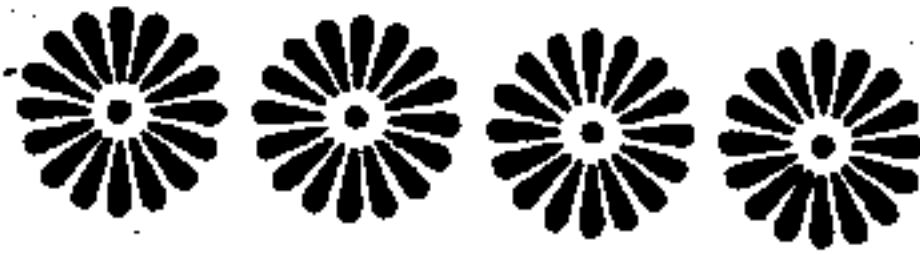
اعلیحضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ

قیمت /۱۵ روپے

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور۲

اہل اسلام، اہل حق، اہل سُنّت وجماعت

کے سچے معتقدات کے بیان و تبیان پر مشتمل

دس عقیدے

یعنی

رسالہ مبارکۂ نافعہ

اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفٰی والآل والاصحاب

۱۲۹۸ھ

تصنیفِ لطیف

امام اہلسنّت، مجدّدِ دین و ملّت، مؤیدِ ملّت طاہرہ اعلیٰ حضرت مولنا الشاہ

احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس اللہ تعالیٰ سرّہ وافاض علینا نورہ

تزئین و ترتیب

خلیل العلماء مفتی محمد خلیل خان القادری البرکاتی المارہری

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور ۲

تجلی الیقین
بان نبینا سید المرسلین
اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ
قیمت ۹/ روپے
فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور ۲